اے خالقِ پاک اے خداوندِ کریم ۔۔۔ خالق کہ توہے قدیر و یکتا و قدیم
آلودہ صد ملال ظلمت ہون مین ۔۔۔ تو نور و سرور کا ہے دریاے عظیم

اسی طرح فرماتے ہین :-

اے خالق ذوالجلال و ربِ غفور ۔۔۔ ہے تیرے کرم سے جلہ نیرنگ ظہور
ہے رحمتِ عام کارفرما تیری ۔۔۔ محروم ہوں مین تو اس میں میرا ہی قصور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال نے اس مجموعہ پر اپنا دیباچہ سپردِ قلم کیا ہے اور جناب محروم کے کلام کے خصوصیات دکھائے ہین، توقع ہے کہ اردو دان حلقہ مین اس کو عام قبولیت حاصل ہوگی،

جامِ نو، از جناب سید شاہ عنایت مولیٰ تابان القادری، ناشر مکتبہ قادریہ نمبر ۴۲ خانقاہ شریف لین، کلکتہ نمبر ۱۲، حجم ۱۹۰ صفحے، قیمت :- عہ۸

جامِ نو، کلکتہ کے جوان فکر نوجوان شعراء کے کلام کا مجموعہ ہے، اس گلدستہ کے مرتب جناب تابان قادری نے نوجوانون سے اُن کے مختصر سوانحِ حیات اور کلام کا انتخاب مانگا، اور اس کو اُن کی تصویرون کے ساتھ شائع کیا ہے، اس طرح اس مین کلکتہ کے شعراء کے خود نوشت حالات زندگی اور اُن کے کلام کا انتخاب آگیا ہے، اور اس لحاظ سے یہ ایک قابلِ قدر مجموعہ ہے،

قرآنی دعائین اور دعاے مسنونہ، مرتبہ جناب سردار احمد صاحب ناشر مکتبہ علمیہ جامع مسجد دہلی، حجم ۹۵ صفحے، قیمت عمر

اس مجموعہ مین قرآن مجید کی وہ دعائین جو مختلف انبیاے کرام کی زبان سے ادا ہوئی ہین، نیز کتب احادیث سے مسنون دعائین یکجا کی گئی ہین، یہ دعائین مختلف عنوانون کے ساتھ مترجم درج ہین، اور مختلف دعاؤن کے طلب کرنے اور اُن کے طلب کرنے کے خاص اوقات کا ذکر بھی آیا ہے؛

"س"

جلد ۶۰ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء عدد ۴

مضامین

شذرات

ہندوستان کے محبِ وطن سالہاسال سے آزادی کی جدوجہد کر رہے تھے، اور اس کی قربان گاہ پر عزیز سے عزیز متاع نثار کرنے کے لئے تیار تھے، لیکن اس کے ملتے ہی جن حالات سے دوچار ہونا پڑا، اس سے مستقبل کے سارے خوش آیند تصورات خوابِ پریشاں بن کر رہ گئے، ہندوستان آزادیٔ انصاف اور رواداری کا علم بلند کرکے ایشیا کی رہبری کا پیام لے کر اٹھا تھا، مگر آج وہ اپنے گھر میں لگی ہوئی آگ کو بھی بجھانے پر قادر نہیں، انڈین یونین اور پاکستان دونوں اپنی برادر کشی، قتل و غارتگری، اور جنون آمیز درندگی کی رسوا کن حرکتوں سے اپنے عہدِ غلامی سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہیں،

برطانوی حکومت کے ۳ جون کے اعلان کو سیاسی جماعتوں نے اس توقع سے قبول کیا تھا کہ فرقہ وارانہ نزاعیں ختم ہوجائیں گی، اور دونوں نو آبادیوں کو اپنے دائرہ میں ترقی کے مواقع ہاتھ آئیں گے، لیکن حد بندی کمیشن کے فیصلہ کے شائع ہوتے ہی گویا اس کے خرمن پر بجلی گر پڑی، اور فسادوں کی لہر جو پہلے سے موجود تھی، اس تیزی سے آگے بڑھی، اور ایسے ہولناک حادثات رونما ہوئے کہ بنگال و بہار کی المیہ داستانیں بھی ماند پڑ گئیں، ہزاروں ہزار معصوم بچے اور بے زبان عورتیں نوکِ شمشیر کا نشانہ بنیں، لاکھوں لاکھ انسان بےخانماں برباد ہوئے، آبادیوں کی آبادیاں اور محلوں کے محلے جلا کر خاکستر کئے گئے، اور سیکڑوں میل کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں اجاڑ دی گئیں، ـــ ہر قتل، غارتگری، اور فتنہ انگیزی کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، لیکن یہ اتنا بڑا المیہ پیش آیا، کہ اس کے مقصد کی کوئی صحیح تعیین نہیں کی جاسکتی، سوا اس کے کہ مجنون انسانوں نے اپنے جاہلانہ جوش جنون میں اپنے وحشیانہ جذبۂ انتقام کی پیاس کو بجھایا، مگر مآلِ کار انھیں کچھ حاصل نہیں ہوا،

انڈین یونین اور پاکستان کے ہندو اور مسلمان اپنی آبادی کے جس تناسب سے ہیں یہ باور نہیں کیا جاسکتا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کسی دوسرے فرقہ کے افراد کو اس طرح ختم کرسکتا ہے، کہ اس مذہب کا نام لیوا کوئی باقی نہ رہ جائے، بعض کوتاہ بینوں کے سامنے سسلی اور اندلس کی مثالیں ہیں، ہندوؤں کی بعض نو قائم جماعتیں قتل و غارتگری سے اس تاریخ کو دہرانا چاہتی ہیں، اور بعض نادان مسلمانوں کا ایک طبقہ شدتِ خوف سے انہی مثالوں کو سامنے رکھکر لرزاں و ترساں اور سر چھپانے کے لئے کسی مامون جگہ کی تلاش میں سرگرداں ہے،

مگر یہ اس راہ سے سوچنے والوں کی صریح نادانی ہے، وہ اس کو فراموش کر دیتے ہیں کہ اگر مسلمان سسلی اور اسپین سے ایک ایک کرکے نکل آئے، تو دوسرے راستہ سے انھوں نے اس برعظم کی سب سے عظیم الشان سلطنت برطانیہ کی شہنشاہی کو ختم کر دیا، وہ اپنی ان سے بہت کم قوتوں کو سسلی اور اسپین کی بازیافت میں لگا کر کامیاب ہوسکتے تھے، مگر اس وقت کی بساطِ سیاست کا نقشہ کچھ اور تھا، اس کے مطابق انھوں نے عمل کیا، پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل سے سالہاسال تک جن نظریوں کی مخالفت کرتے رہے، اپنے ان میں نے تخیل یعنی مذہبی اصولوں کے مطابق وحدانی ہندو قوم اور وحدانی ہندو حکومت سے انھی کو تقویت پہنچا رہے ہیں، ایسی حکومتوں کی کوششیں نہ انڈین یونین میں کامیاب ہوسکتی ہیں اور نہ پاکستان میں،

دلی کا المیہ سب سے زیادہ اندوہناک ہے، یہ غریب معلوم نہیں کتنی مرتبہ لٹی، اور آباد ہوئی، اگرچہ اس کی ہر بربادی ایک نئی آبادی کا پیش خیمہ بنی، مگر اس کی پچھلی بربادیاں سلطنت کے انقلاب کے لئے تھیں، اس مرتبہ سلطنت کے انقلاب کے بعد یہاں عوام نے عوام کو قتل کیا، اور ایسی تباہی آئی، کہ ۱۸۵۷ء کی تباہیوں کی یاد تازہ ہوگئی، دلی کے اس المیہ میں وہاں کے ممتاز علمی و ادبی اداروں کے قیمتی ذخیروں کو بھی شدید نقصان پہنچا، جامع مسجد کے اردو بازار کے مرکزی تجارتی کتب خانوں پر معلوم نہیں کیا افتاد گذری، لیکن جامعہ ملیہ کے قیمتی کتب خانہ (قرول باغ) اور اس کے ترقی یافتہ تجارتی مکتبہ کو نذرِ آتش کر دیا گیا، ندوۃ المصنفین کے ماہنامہ برہان کا مکتبہ لوٹ لیا گیا، بوڑھی انجمن ترقی اردو ہند مرکزی دفتر اور اس کے تجارتی کتب خانہ کو بھی تباہ کر دیا گیا، کیا یہ بربادیاں اسکندریہ کے کتب خانہ کی بربادی سے کم ہیں جن کا صدیوں تک ماتم کیا جاچکا ہے،

قتل و غارتگری کا یہ نامتناہی سلسلہ رک سکتا ہے، اگر گذرے ہوئے واقعات کو فراموش کیا جائے، الزام دہی کے سلسلہ کو روکا جائے، ہندو، مسلمانوں اور سکھوں میں سے کون فرقہ ہے جس کی بڑی تعداد کے ہاتھ اس خون سے رنگین نہیں، پھر ایک دوسرے پر الزام رکھنے سے کیا حاصل؟ ان میں سے ہر فرقہ کو عصبیت سے بلند ہوکر اپنی انسانیت سوز حرکتوں کا جائزہ لینا اور قاتلوں کے ہاتھ کے بجائے خود اپنے رنگین ہاتھوں کو دیکھنا ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے نہ ہندو مت کے مطابق ہے اور نہ اسلام کے اور نہ گرو نانک جی نے ایسی وحشیانہ حرکتوں کی کبھی تلقین کی ہے، مگر یہ کیا ستم ہے کہ یہ سب کچھ مذہب اور دھرم ہی کے نام اور اسی کے خاطر کیا جارہا ہے، اور اسی کو قومی برتری اور دین اور دھرم کی خدمت سمجھ لیا گیا ہے، اگر ہم میں واقعی مذہبی درد اور قومی ہمدردی ہے تو ہمیں اپنے دین اور دھرم کی تعلیمات پر نگاہ رکھنی چاہئے اور اسی سے وہ راہ صواب مل سکتی ہے جو امن و امان کی منزل تک پہنچا سکیگی،

بہار کے سانحہ کے موقع پر مظلوموں کو ترکِ وطن کا مشورہ دیا گیا تھا، اور ہزاروں ہزار مسلمانوں نے اس صدا کو لبیک کہا تھا، پھر تھوڑے سے سکون کے بعد انھیں بہار میں واپس لانے کی تحریک اٹھائی گئی، اور بہت سے لوگ

شکستہ حالی کے ساتھ واپس لائے گئے، اب موجودہ خونریز حادثات سے مسلم عوام مین ترک وطن کے جذبات نئے سرے سے ابھر پڑے ہین، اور ان مین عام سراسیمگی اور پریشانی پھیلی ہوئی ہے، کیا مسلمان جہان گئے، شمشیر کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر گئے، یا جہان رہے تلوار کے سایہ مین پناہ گزین رہے، حبشہ پر مسلمانون نے کبھی چڑھائی نہین کی، مگر وہان آدھی سے زیادہ آبادی مسلمان ہے، افریقہ کے بہت سے مقامات ہین، جہان مسلمان سپاہیون کی تلوار نہین پہنچی مگر وہان مسلمانون کی بڑی آبادیان قائم ہین، چین پر مسلمانون نے کبھی لشکرکشی نہین کی، مگر تین چار کروڑ مسلمان وہان ناصرف مسلمان چینیون کے ساتھ امن کی زندگی گذار رہے ہین، انڈونیشیا کبھی کسی مسلمان تاجدار کے زیرنگین نہین آیا، مگر وہان مسلمانون کی بڑی تعداد موجود ہے، خود ہندوستان مین بنگال، کشمیر اور سندھ اسلامی دار السلطنت کی سطوت سے دور تھے، مگر وہان آج بھی غالب اکثریت موجود ہے، ان کے برخلاف آگرہ، دلی، اودھ مسلمان سلاطین اور ان کی تہذیب و تمدن کے مرکز تھے، مگر مسلمانون کی آبادی ۱۵ فی صدی سے آگے نہین بڑھی، پھر انڈین یونین کے مسلمانون کے لیے کون سی بات ہے کہ وہ اپنی عظیم تعداد مین ہونے کے باوجود سراسیمہ اور پریشان ہین؟

———

ہم نے مسلمانون کو اس وقت بھی مشورہ دیا تھا، اور آج بھی یہی کہتے ہین کہ وہ دلجمعی سے اپنے وطن مین جمے رہین، خصوصاً اس زمانہ مین جب کہ راستے پرخطر ہین، نقل مکانی کی جرأت کرنا اپنے کو ہلاکت مین ڈالنا ہے، ایک دو سال گذر جانے کے بعد جب حالات مین سکون پیدا ہو جائے، منافرت کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائین، بربریت کا دور ختم ہو جائے اور لوگ انسانیت کی عزت کرنا سیکھ لین، تو پھر دل کے پورے سکون اور طمانیت کے ساتھ غور و فکر کی راہین کھلی رہین گی، اور جسے اپنے کسی پسندیدہ ملک مین جانا ہوگا تو وہ جا سکیگا، اور اپنے ماحول کے اعتبار سے اپنی سہولتین حاصل کر سکے گا،

———

موجودہ حالات مین مستقبل کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم رہنا، دشوار ہے، اس وقت انڈین یونین یا پاکستان کے صوبون کی اسمبلیون یا مجالس بلدیات مین کثرت رائے سے جو فیصلے ہو رہے ہین، انھین ہم پائدار نہین سمجھتے، اس پرآشوب زمانہ مین ان فیصلون اور اقدامون مین جا ہے، وہ جتنی بھی اچھی ہوئی ہون، مگر غم و غصہ، نفرت اور انتقام کی تلخیان موجود ہین، حالات کے پرسکون ہونے کے بعد ہو سکتا ہے، کہ یہ فیصلے عقل و خرد کی ترازو پر نئے سرے سے تولے جائین، اور دلائل کا وزن ان کو اپنے فیصلون کے بدلنے پر مجبور کرے، لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا،

———

مقالات

سیاسیاتِ اسلام کے نظریے

از

سید سلیمان ندوی

"حضرة الاستاذ مدظلہ کا یہ مقالہ رسالہ "اسلامی نظریۂ سیاست" مین جس پر پچھلے مہینہ مین معارف مین تبصرہ کیا گیا تھا، بطور مقدمہ شائع ہوا ہے، اب ذیل مین اس کو ناظرین معارف کے استفادہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے"، "س"

علم کلام وہ فن ہے جس میں اصول دین کی حمایت کی جائے، اور معترض ان پر جو شکوک و شبہات وارد کرین، ان کو دفع کیا جائے لیکن کسی چیز کی حمایت و حفاظت ہر زمانہ مین ایک ہی طور سے نہین کیجا سکتی، کیونکہ ہر زمانہ کے خیالات یکسان نہین ہوتے، اس تغیرآباد عالم مین کسی چیز کو قرار نہین، ہر وقت خیالات بدلتے رہتے ہین، حسن و قبح کا انسانی معیار بدلتا رہتا ہے، چیزون کی قدر و قیمت کا معیار بدلتا رہتا ہے، لیکن دین جو حق مطلق اور صداقت دائمی ہے، وہ ناقابل تغیر ہے، توحید، انبیاء، عالم غیب، احکام الٰہی آغاز عالم سے اُن کے حقائق یکسان ہین، اور یکسان رہین گے، اسی طرح معاملات کی صداقت اور اخلاق کی طہارت کا معیار ہمیشہ سے ایک ہے اور ایک ہی رہیگا، قتل ناحق اور دوسرے کے مال کو اس کی اجازت کے بغیر تصرف مین لانا جس کے انواع چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت وغیرہ ہین، ہمیشہ ممنوع

رہے ہیں، اور رہیں گے، جھوٹ کا برا، اور سچ کا اچھا ہونا نہ کبھی بدلا ہے، اور نہ کبھی بدلے گا،

اوپر کی سطروں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین ایک غیر متبدل حقیقت ہے، اور انسانی خیالات کا سیلاب ہمیشہ چڑھتا اُترتا رہتا ہے، ایک ہی چیز جو کبھی اعتراض کا مورد تھی دوسرے وقت میں مستحسن سمجھی جانے لگتی ہے، اور جو کبھی مستحسن تھی، وہ دوسرے وقت میں قابلِ اعتراض بن جاتی ہے،

غرض ان غیر متغیر دینی حقائق اور ان تغیر پذیر انسانی خیالات میں ایک کشاکش سی قائم رہتی ہے، علم کلام کا کام یہ ہے کہ اس کشاکش کو دور کرے، لیکن اس کشاکش کو دور کرنے کا طریقہ بھی یکسان نہیں رہ سکتا، کیونکہ زمانہ کے خیالات اور ہر کوشش کرنے والے کی دماغی ساخت، ذہنی فعلیت اور طریق فکر یکسان نہیں ہوتا، اس لئے زمانہ کے تغیر اور ہر صاحبِ فکر کے طریقِ فکر کے اختلاف سے اس کشاکش اور تصادم کے رفع کرنے کا طریق بھی بدلتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر زمانہ کا علم کلام دوسرے زمانہ کے علم کلام سے الگ رہا کیا ہے، کیونکہ حملون کی نوعیت کے بدلنے سے اُن کی مدافعت کی نوعیت بھی بدلنی ضرور ہے

کبھی آسمان کے خرق والتیام، جزء لایتجزیٰ، استطاعت مع الفعل وقبل الفعل، اور الواحد لایصدر عنہ الا الواحد کے مسائل نفیاً یا اثباتاً علم کلام کے اجزاء تھے، کبھی معجزات کا صدور نبوت کے ثبوت کا معیار تھا، کبھی قرآن پاک کی فصاحت و بلاغت اس کی حقانیت کا آئینہ تھی، کبھی ان صداقتوں کے ثبوت کے دوسرے معیار پیدا ہو گئے، چنانچہ کبھی خرقِ عادت کی کثرت کسی دین کے ثبوت کا ذریعہ تھی، اور کبھی خرق عادت کی سرے سے نفی دین کی صداقت کا معیار بنی، غرض کبھی یونانی فلسفیانہ خیالات کی عینک سے دین کو دیکھا گیا، کبھی اشراقی صوفیانہ نظریہ کی کسوٹی پر اس کو کسا گیا، کبھی منافع دنیاوی اور شواہد عقلی کی ترازو سے اُن کو تولا گیا، اور آج یورپ کے افکار و خیالات سے اُن کو جانچا جا رہا ہے،

اسی جدید عہد کے متکلمین کی کوششون پر ایک نظر ڈالئے جو سید احمد خان اور مفتی عبدہٗ کے زمانہ سے آج کے دن تک میدان عمل میں آئے، تو معلوم ہوگا، کہ ہر وقفہ کا علم کلام دوسرے وقفہ سے الگ ہوتا رہا، سید صاحب اور مفتی عبدہٗ کا عہد وہ تھا جب سائنس کی ترقیون نے مادیت کا زور پیدا کیا، اور نطرت اور نیچر اور قواعد طبعی اور نیچرل لاز یہ صداقت کا معیار بن گئے، معجزات کی نفی کی گئی یعنی اُن کی تاویل کی گئی، جنت و دوزخ اور عقائد مابعد الطبعی کی باطنی تشریح کی گئی، اور اسلام کا نام فطرۃ اللّٰہ ایسے معنون میں رکھا گیا جن معنون میں نیچر کا لفظ بولا جاتا ہے،

اس کے بعد وہ زمانہ آیا جب نطرت اور نیچر کے بجائے تمدن، تہذیب، طرز سلطنت اور رفاہ عام کے طور و طریق ایک دین کی صداقت اور معیاری ہونے کے دلائل ٹھہرائے گئے، یہ وہی زمانہ ہے جب الفاروق لکھی گئی، الجزیہ لکھا گیا، حقوق الذمیین ترتیب پائے، اسلامی شفاخانے اور اسلامی کتب خانے وغیرہ مضامین اشرفیون سے تولے گئے،

اب گذشتہ جنگ عظیم نے جب کروٹ لی تو خیالات کی دنیا میں بھی تزلزل آیا، سیاسیات کے رنگ بدلے، اور انسانی حقوق کے نئے نقشے ترتیب پائے، پھر سوشلزم کی کامیاب وحدت نے جب روس کے تخت پر قبضہ کیا، تو اقتصادیات کے نئے نئے عقائد لوگون میں پھیلے، اور دینی حقائق کے معیار میں بھی ایک نئی تبدیلی آگئی،

صرف پچھلے ساٹھ ستر برس کے سیاسی تغیرات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ متکلمین اسلام نے کیا کیا پہلو بدلے، سر سید تک کی تحریرون میں شخصیت پرستی کا زور تھا، اور شخصی سلطنت ہی خیر و برکت کا موجب رہی، سید جمال الدین افغانی نے لکھا، کہ اسلام کی خیر شخصیت عادلہ میں ہے، اسی پچھلے زمانہ کے ایک بڑے عالم باعمل کی تحریرون میں شخصی بادشاہی کو عین منشاے اسلام ہونے کی تلقینین بکثرت ملتی ہین،

لیکن ان دماغوں نے جو ابتدائے عہد جدید میں بیدار ہوئے، دستوری حکومت کو منشائے اسلام قرار دیا، اور پھر جمہوریت کا دور آیا، جس میں اسلامی حکومت کو جمہوریہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، ابھی اسی جنگ میں جب جرمنی میں ہٹلر اور اٹلی میں مسولینی کا عروج تھا، اور بظاہر یہ نظر آتا تھا کہ فسزم اس معرکہ میں کامیاب ہو کر نکلے گا، طبائع میں یہ میلان پیدا ہو گیا، کہ حکومتِ اسلامیہ کو ڈکٹیٹرشپ اور فسزم کے رنگ میں پیش کیا جائے، اب فسزم اور ڈکٹیٹرشپ کی ناکامی کے بعد پھر سوشلزم کا زور ابھرنے لگا ہے، اور اب موجودہ وقت وہ ہے، جس کا علم کلام اسلام اور سوشلزم کے درمیان توفیق اور تطبیق ہے، بلکہ یہ ہے کہ سوشلزم کے مقابلہ میں اسلامی اصول سیاست واقتصاد کی برتری ثابت کی جائے،

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض ہے کہ آج تو اس موضوع پر لکھنے والے بہت سے اہل قلم ہیں لیکن ہندوستان میں سب سے پہلے راقم الحروف کو اس کی توفیق ملی، غالباً ۱۹۱۰ء میں "اسلام اور اشتراکیت" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون "الندوہ" میں سپرد قلم کیا، پھر اسی مضمون کو الہلال کلکتہ کی ادارت میں شمول کے بعد ۱۹۱۲ء میں "الحریۃ فی الاسلام" کے عنوان سے از سر نو لکھا، جو الہلال کے کئی نمبروں[1] میں شائع ہوا، اس وقت تک اشتراکیت صرف تخیل اور نظریہ تھا، اور اس نے کوئی عملی صورت اختیار نہیں کی تھی، اس کی عملی صورت تو ۱۹۱۸ء سے ظاہر ہوئی جب جنگِ عظیم کے خاتمہ

[1] الہلال میں چونکہ مضمون نگاروں کے نام نہیں لکھے جاتے تھے، اس لئے الہلال کے مضمونوں کے مجموعوں کے شائع کرنے والوں نے بلا تحقیق ہر مضمون کو مولانا ابوالکلام صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، الحریۃ فی الاسلام، تذکار نزول قرآن، حبشہ کی تاریخ کا ایک ورق، قصص بنی اسرائیل، مشہد اکبر، نمبر اول وغیرہ میرے مضامین ہیں، اسی طرح الحرب فی الاسلام اور کئی مضمون مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کے ہیں، اسوہ ابراہیم وغیرہ مضامین مولانا عبداللہ عمادی کے ہیں، فَآتِ کُلَّ ذِی فَضْلٍ فَضْلَہ،

کے قریب روس نے بالشویک انقلاب کو کامیاب کیا،

روسی بالشویکوں کی کامیابی نے بہت سی قوموں کے افکار میں ہیجان پیدا کر دیا، اور خصوصیت کے ساتھ محکوم قوموں کے نوجوانوں کے دل و دماغ میں ایسی شرر انگیزی پیدا کر دی ہے، کہ سوشلزم ان کا مذہب اور مارکس اور انجل کی تصانیف اُن کا دینی صحیفہ بن گیا ہے، اور اُن کے اندر اُس کی اشاعت اور کامیابی کے لئے وہی جد وجہد اور ایثار و قربانی کی روح پیدا کر دی ہے، جو کبھی "مذہبی مجنونوں" کا خاصہ تھا،

سوشلزم کی تحریک اگر صرف سیاسی واقتصادی اصلاح طلبی کی چیز ہوتی، تو مسلمانوں کو چنداں اس سے اختلاف نہ ہوتا، مگر اہلِ نظر جانتے ہیں، کہ اُس کی تہ میں لادینی دعوت کام کر رہی ہے، وہ "قیصر اور خدا" دونوں کو ایک ساتھ تخت اور عرش سے اُتار [illegible]، اور قیصر کے محل اور خدا تعالیٰ کے معبد دونوں کو برابر ڈھانا چاہتی ہے، اور بقولِ اقبال یہ وہ دین ہے، جس کا کلمہ لا الٰہ اور لا ملک ہے، اور اسلام کا کلمہ لا الٰہ الا اللہ اور لا ملک الا اللہ ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ سوشلزم ایک تخریبی تحریک اور اسلام ایک تعمیری دعوت ہے، لیکن ایک حیثیت سے یہ مسئلہ کلام کے علمی و نظری تنگنائے سے نکل کر عملی زندگی کا معاملہ بن گیا ہے،

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے، مگر حقیقت ہے کہ اسلامی دعوت کی وسعت جو انسانی زندگی کے ہر گوشہ تک وسیع تھی، وہ گھٹتے گھٹتے صرف چند عقائد اور چند عبادات تک محدود ہو کر رہ گئی، بنی اُمیہ نے اپنے عمل سے سیاست کو دین سے خارج کر دیا، اور عباسیہ نے تہذیب و تمدن و آداب کو بھی دین کی ہمہ گیری سے الگ کر لیا، اس کے بعد ایرانی و ترکی و تاتاری سلاطین نے قرآن کے ساتھ آئین نوشیروانی اور تورۂ چنگیزی کا اضافہ کیا، وہ دین تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھتے تھے، مگر ان کی سیاست اور خراج و باج کے آئین قیصر و کسریٰ اور چنگیز و ہلاکو کے دستور و قواعد

مبنی تھے، اس لئے ہماری پچھلی سلطنتیں مسلمانوں کی تو ضرور تھیں، مگر اسلام کی نہ تھیں، یعنی اُن کے فرمانروا مسلمان تھے، مگر اُن کی حکومت کا قانون اسلامی نہ تھا، جس طرح آج انگریزی عہد میں بھی محمڈن لا جاری ہونے سے کوئی سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی تھی، تو کل صرف نکاح و طلاق و وقف وغیرہ قوانین کے اجراء سے سلطنت اسلامی نہیں ہو سکتی، الایہ کہ اس کے استعمال میں ہم ایک نوع کا مجاز اور تساہل برتتے ہیں،

یہ کہنا صحیح نہیں کہ مسلمانوں نے اس اسلامی حقیقت کی تبدیلی کو آسانی سے مان لیا، جنگ جمل جنگ صفین، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حجاج کی لڑائی، معرکہ کربلا، واقعہ حرہ، جس میں اہل مدینہ نے بنوامیہ کے خلاف لڑائی لڑی، واقعہ قراء جس میں علماء عراق نے بنوامیہ کے خلاف معرکہ آرائی کی، واقعہ نفس زکیہ جس میں سادات و علماء حجاز نے مل کر عباسیہ کے خلاف پرزور بغاوت کی، یہ اور اس کے سوا دوسرے واقعات نے جن میں اصلاح و انقلاب کے علمبرداروں کو کامیابی نہیں ہوئی، خونریزی اور فتنوں کا دروازہ کھول دیا، اس لئے پچھلے متکلمین اور فقہاء نے یہ اصول بنا لیا کہ ہر اصلاح طلبی میں یہ دیکھنا چاہئے کہ فتنوں کے نئے دروازے تو نہیں کھلتے، اور حالات بد سے بدتر تو نہیں ہو جائیں گے،

ان اصلاح طلبوں اور انقلابیوں کی ناکامی کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ انقلاب سے پہلے انھوں نے انقلاب کی دعوت کا دور اپنے اوپر نہیں گذارا، اور زمین میں ہل چلانے سے پہلے زمین میں تخم ریزی شروع کر دی، آخر اسی زمانہ میں ابومسلم خراسانی کی تحریک جس سے عباسیہ حکومت کا آغاز ہوا، اور اسماعیلیوں کی تحریک جس سے دولت فاطمیہ پیدا ہوئی، اور محمد بن تومرت کی تحریک جس سے موحدین مراکش کی سلطنت قائم ہوئی، کس طرح دعوت کی راہ سے بڑھی، اور پھلی، اور پھولی اور مدتوں قائم رہی، زمانہ کے انقلابات نے آج بہت سے امکانات پیدا کر دیئے ہیں، ہر جگہ شخصی سلطنتوں کے

تخت خالی ہو گئے، دستوری اور جمہوری اور عوامی سلطنتوں کے آئین پر حکومتیں قائم ہو رہی ہیں، پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی اصول سلطنت پر کوئی سلطنت قائم کیوں نہیں ہو سکتی، اس راہ کے جو موانع ہیں وہ حسب ذیل ہیں:-

۱- مسلمان ملکوں کا بڑا حصہ نامسلمانوں کے قبضہ میں ہے، اس لئے ان مسلط قوتوں سے ٹکرائے بغیر اس میں کامیابی نہیں ہو سکتی،

۲- مسلمان ملکوں میں جو آزاد بھی ہیں، وہ نامسلمانوں کی سیاست اور مادی و ذہنی برتری کے سامنے عاجز و درماندہ ہیں یعنی اُن کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں، وہ انہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اور انہی کے کانوں سے سنتے ہیں، وہ اُسی کو خیر سمجھتے ہیں جس کو یورپ خیر سمجھتا ہے، اور اسی کو شر جانتے ہیں، جس کو یورپ شر کہتا ہے،

۳- اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلامی سیاست و حکومت کے آئین، و اصول و دستور سے خود مسلمان واقف نہیں، صدیوں کی ظلمت و جہالت نے اسلام کے نور پر پردے ڈال دیئے ہیں، اور قیصر و کسرائی و خاقانی دستور و آئین میں اسلامی آئین اس طرح مخفی ہو گیا ہے، کہ آج ہم کو اس قیصریت و کسرائیت میں جس کو مٹانے کو اسلام آیا تھا، اور اسلام میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا،

اسلامی حکومت و سیاست کے مؤلفین میں بڑا نام قاضی ماوردی شافعی کا ہے، وہاں بھی اصل حقیقت مستور ہے، ایک دوسرے حنبلی عالم کی کتاب بھی چھپ گئی ہے، اس میں بھی حقیقت کا پتہ نہیں، ابن خلدون کے مقدمہ میں بہت کچھ ہے، مگر ماضی کی داستان سرائی نے حال و مستقبل پر پردہ ڈال دیا ہے

حق یہ ہے کہ اس باب میں ہندوستان کے مصلح اعظم شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے، ازالۃ الخفاء عن تاریخ الخلفاء صرف علم کلام اور مناظرہ کی کتاب نہیں ہے، بلکہ اسلامی اصول سیاست و خلافت پر بڑی دقیق اور محققانہ کتاب ہے، لیکن مطالب دوسرے

مضامین کے ساتھ متفرق اور بکھرے ہوے ہین، مولانا اسمٰعیل شہید پہلے شخص ہین جنھون نے منصب امامت مین اسلامی اور غیر اسلامی اصول وآئین حکومت کو خالص کرکے دکھایا، اور مسلمانون کی حکومتون اور سلطنتون کے مدارج اور مراتب مقرر کئے،

اب جب مسلمانون کی آنکھین کھلی ہین، تو نظر آتا ہے، کہ یورپ کے پیدا کردہ اقلیت اور اکثریت کے مسئلہ نے ایسی اہمیت پیدا کرلی ہے، اور وہ دماغون پر اس طرح مسلط ہے، کہ ان ملکون مین جہان مسلمان اقلیت مین ہین، اپنے لئے کسی اصول وآئین کا قیام اُن کو سرتاسر محال نظر آتا ہے، اور جہان وہ اکثریت مین ہین، یورپ کے پیدا کردہ مسئلۂ وطنیت نے اُن کو از خود فراموش بنا رکھا ہے، اور مسلمان کی زندگی ان دونون باطل نظریون اور عقیدون کے نذر ہو رہی ہے، اور ہندوستان کی وہ اسلامی تحریک جو ان دونون سے خوددارانہ علٰحدگی چاہ رہی ہے، وہ ابھی تک ایجابی کے بجائے سلبی قوت ہے، اور دائمی اور پائیدار زندگی ایجابی وتعمیری قوت کے اندر مضمر ہے، بہرحال توقعات قائم ہین، اصلاح کی کوششین جاری رہین، تو ممکن ہے، کہ دوسرون کی نقالی کے بجائے خود اپنے اسلافِ اولین کے کارنامون پر نظر پڑے، اور یونانی ورومانی قانون وطریق عدل کی جگہ کتاب وسنت اور قانون اسلام کی اتباع کا شوق پیدا ہو، لیکن اس کے لئے اصلاحی جدوجہد اور اسلامی سیاسیات پر صالح لٹریچر لکھ کر پھیلانے کی ضرورت ہے،

اس موقع پر ایک واشگاف بات کہنی ضرور ہے، بعض اہلِ قلم اس بات کی کوشش کر رہے ہین، کہ موجودہ جمہوریت کے اصول وآئین کو ایک ایک کرکے لین اور اس کا سُراغ اسلام مین لگائین، اور اسلامی شریعت کی دلیلون سے ثابت کرین،

دوسری طرف یہ کوشش جاری ہے، کہ خلافتِ راشدہ کے انتخابی وانتظامی طریقون کو ڈھونڈ ڈھونڈ نکالین، اور ان کو جامد اصول کی طرح تسلیم کرلین، جیسا کہ ہمارے متکلمین اور فقہاے سیاست نے

خلفاے اربعہؓ اور امیر معاویہؓ کے طریق انتخاب اور تسلط واستیلاء کو ہمیشہ کے لئے دائمی اصول قرار دے لیا، حالانکہ پیش آجانے والے واقعے کسی مذہب کے ایسے مقررہ اصول نہین بن سکتے، جن مین کمی بیشی نہین ہو سکتی جس طرح جہاد فرض ہے، اور اس کے آلات جو عہدِ خلافت مین رائج تھے، حملہ اور دفاع کے آلات اُن مین محدود نہین، زمانہ کے حالات کے ساتھ ان مین ترقی اور تغیر ممکن ہے،

انتخاب کے نئے آئین بن سکتے ہین، قانون سازی اور اختلاف آراء کے موقع پر فیصلہ کے طریقون مین نئی راہین نکالی جا سکتی ہین، اجماع اور قیاس کے مدونہ اصولون کے بہت سے نئے فیصلون کی گنجائش ہے، مگر ضرورت ہے کہ یہ سب کچھ کتاب وسنت، قضایاے خلفاے راشدینؓ اور مسلمات فقہاے اسلام پر اسی طرح مبنی ہون جس طرح یورپ کے ہر قانون کی بنیاد رومن لا کے اصولون پر ہے،

ہم نے جہان تک اسلام کے سیاسی اصولون کا جو کتاب وسنت مین پھیلے ہین، مطالعہ کیا ہے یہ چیز نظر آتی ہے، کہ چند بنیادی اصول ایسے ہین، جو اسلام مین اصول کی حیثیت رکھتے ہین، جن سے انحراف ممکن ہی نہین، مثلاً یہ کہ

۱- خلیفہ کے انتخاب مین کہ وہ بہتر سے بہتر ہو جتنی کاوش ممکن ہو کی جائے، پھر انتخاب کے بعد اس کے احکام کی جو کتاب وسنت اور مصالح مسلمین کے خلاف نہ ہون اس کا حکم واجب الاتباع ہے

۲- امور مہمہ مین جو منصوص نہ ہون اہلِ حل وعقد سے شوری کیا جائے،

۳- بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملک نہین، وہ صرف مصالح مسلمین کے لئے ہے، اس مین ہر ناجائز تصرف خیانت ہے، اور بیت المال اور اُس کے اصول وقواعد اسلامی سیاست اقتصاد کے نہایت ہی اہم اصول ہین،

۴- سلطنت کے نظم ونسق مین حد درجہ سادگی اور کم خرچی اختیار کی جائے،

۵- عہدہ دار اور اہلِ منصب مین اداے فرض کے اندر پوری امانت برتی جائے اُن مین

ہے ہر فرد اپنے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ سمجھے

۷۔ عہدہ داران سلطنت کے لئے مقررہ وظیفہ کے علاوہ رعایا سے کسی قسم کا تحفہ نذرانہ اور اخذِ زر قطعاً ناجائز ہے،

۸۔ رعایا سے شرعی ٹیکس کے علاوہ دوسرے قسم کے غیر شرعی ٹیکس نہین لیے جاسکتے فقہ مین اس کی تفصیلات موجود ہین،

۸۔ حکام پر پورا پورا عدل وانصاف فرض ہے، عدل وانصاف کی راہ مین، رشوت طرفداری بے انصافی، ظلم گناہ کبیرہ ہے،

۹۔ کاشتکار اور زمیندار کے درمیان اُتنا ہی تعلق ہے، جتنا ایک مزدور یا اجارہ دار اور مالک کے درمیان ہو، اس کے تفصیلی احکام فقہ کی کتابون مین ہین،

۱۰۔ اسلامی حکومت کے اندر ہر مسلمان جو معذور نہ ہو، اس کا سپاہی ہے،

۱۱۔ غیر مسلم رعایا کی حفاظت جان ومال و مذہب کے مسلمان ذمہ دار ہین، اور ان سے مصالحت کے وقت جو شرطین قرار پائی ہون اُن کو پورا کرنا حکومت پر واجب ہے،

۱۲۔ قانون اور حدود مین ہر ادنیٰ واعلیٰ برابر ہے،

یہ چند سرسری دفعات ہین، تلاش سے ان مین کچھ اور اضافہ ہوسکتا ہے، ان دفعات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا، کہ اسلامی اصول سیاست ظاہری ہیئت وشکل پر زیادہ زور نہین دیتا، بلکہ اس کا اصلی زور روح اور اسپرٹ پر ہے، اس اصلی روح اور اسپرٹ کی بحالی کے ساتھ اگر غیر قومون سے نظم ونسق کے کچھ قواعد لئے جائین، تو کچھ حرج نہین، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق مین کھائی کھود کر حصار بنا لینے کا طریقہ اہل فارس سے حاصل کیا، آلات جنگ مین منجنیق کا استعمال اہل یمن سے عہد نبوی ہی مین مسلمانون نے سیکھا، حضرت عمرؓ کے زمانہ مین حکومت کے دفاتر کا طریقہ

ایرانیون اور رومیون سے اخذ کیا، زمین کی پیمایش اور بندوبست ایرانی زمیندارون کے ذریعہ سے رائج کیا گیا، ان مثالون سے ظاہر ہے کہ نظم ونسق حکومت کے وہ طریقے جو اسلامی روح سیاست کے منافی نہ ہون، وہ غیر قومون سے حاصل اور نقل کئے جاسکتے ہین، اور آج یورپ کے ان انتظامی اصولون اور طریقون کو جو اسلامی اصول کے خلاف نہ ہون، قبول کیا جاسکتا ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان علما جن کی طبیعتون مین امنگ ہے وہ ان مسائل پر تحقیقی مضامین لکھین اور مسلمانون کی نئی سیاسی زندگی کے نئے نئی راہین کھولین ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر مولینا اسحاقؔ سندیلوی مدرس دارالعلوم ندوہ نے لکھی ہے، جو ابھی تک طبع سے محروم ہے،

زیر نظر رسالہ اسی قسم کی کوششون کی ایک مثال ہے، مؤلف نے سیاسیات حاضرہ کو سامنے رکھ کر اسلامی مسائل کی تشریحات کی ہین، اور کہین کہین اسلامی اصول سیاست کے مقابلہ مین موجودہ سیاسی اصولون کی تنقید اور خردہ گیری بھی کی ہے، ابتداءً یہ رسالہ مضمون کی صورت مین معارف کے کئی نمبرون مین چھپا تھا، اور اب ایک مرتب رسالہ کی صورت مین شائع ہو رہا ہے، مؤلف کے انداز بیان معلومات کی فراہمی اور خیالات کی ترتیب تحسین کی مستحق ہے البتہ دو باتین مجھے کھٹکی ہین جن پر تنبیہ مناسب ہے، ایک یہ کہ آیات واحادیث اور عبارات کے ترجمہ مین اپنے دعوی کے اثبات کی خاطر کمی وبیشی نہ کی جائے یعنی قصداً ترجمہ مین ایسی ترمیم نہ کی جائے جس سے حوالہ دعوی سے زیادہ مطابق ہوجائے یہ احتیاط کے خلاف ہے، دوسری چیز یہ کہ طرز بیان مین ایسی احتیاط اختیار کیجائے، کہ شے نہ اپنے اندازہ سے زیادہ اہم ہوجائے، اور نہ اس کی اہمیت کم ہوجائے، بلکہ جتنی ہے اتنی ہی رہے،

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رسالہ سے لوگون کو مستفید کرین، اور اہل علم وقلم کو دین کی صحیح اور سچی خدمت کی توفیق ارزانی فرمائین،

———o∘❀∘o———

اقبال کا فلسفۂ خودی

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۷)

ان مقدمات کے پیش نظر رکھنے کے بعد اگرچہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ فلسفہ مسلمان صوفیہ اور حکمار کے نظریات سے ماخوذ ہے، جس کو ڈاکٹر صاحب نے شاعرانہ طرز ادا سے اپنا مخصوص فلسفہ بنا لیا ہے، لیکن اس کی ابتدا رمثنوی اسرار خودی سے ہوئی، اور جب پروفیسر نکلسن نے انگریزی زبان مین اس مثنوی کا ترجمہ کیا، تو جن انگریزون نے اوس پر تبصرے کئے، انھون نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ یہ فلسفہ جرمنی کے مشہور فلاسفر نٹشے کے افکار و خیالات سے ماخوذ ہے، چنانچہ خود ڈاکٹر صاحب پروفیسر نکلسن کو ایک خط مین لکھتے ہین،

"بعض انگریز تنقید نگارون نے اس سطحی تشابہ اور تماثل سے جو میرے اور نٹشے کے خیالات مین پایا جاتا ہے، دھوکا کھایا ہے، اور غلط راہ پر پڑ گئے ہین، "دی ایتھنیم" والے مضمون مین جو خیالات ظاہر کئے گئے ہین، وہ بہت حد تک حقائق کی غلط فہمی پر مبنی ہین، لیکن اس غلطی کی ذمہ داری صاحب مضمون پر عائد نہین ہوتی، وہ انسان کامل کے متعلق میرے تخیل کو صحیح طور پر نہین سمجھ سکا، یہی وجہ ہے کہ اوس نے غلط مبحث کر کے میرے انسان کامل اور جرمن مفکر کے فوق الانسان کو ایک ہی چیز فرض کر لیا ہے،

مین نے آج سے تقریباً ۲۰ سال قبل انسان کامل کے متصوفانہ عقیدے پر قلم اٹھایا تھا، اور یہ وہ زمانہ ہے، جب نہ تو نٹشے کے عقائد کا غلغلہ میرے کانون تک پہونچا تھا، نہ اس کی کتابین میری نظرون سے گذری تھین[1]،

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ ڈاکٹر صاحب کو نٹشے کی تقلید و تتبع سے بالکل انکار ہے، بلکہ انھون نے دوسرے موقع پر علانیہ یہ دعویٰ کیا ہے، کہ

"اسرار کا فلسفہ مسلمان صوفیہ اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے، اور تو اور وقت کے متعلق برگسان کا فلسفہ بھی ہمارے صوفیون کے لئے کوئی نئی چیز نہین[2]"

اس دعویٰ کے بعد اب ہمارے سامنے یہ سوال نہین ہے، کہ ڈاکٹر صاحب کا انسان کامل اور نٹشے کا فوق الانسان ایک ہی چیز ہین، یا مختلف؟ بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا واقعی ڈاکٹر صاحب کے دعویٰ کے مطابق اسرار خودی کا فلسفہ مسلمان صوفیہ اور حکما کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے؟ اور اس سوال کے جواب کے لئے ہم کو سب سے پہلے خود اسرار خودی کے فلسفیانہ اجزار کی تحلیل کر کے دیکھنا چاہئے، کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ کہان تک صحیح ہے؟

اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسرار خودی مین فلسفۂ خودی کے اجزاء و مقدمات نہایت مبہم، پراگندہ اور نامکمل طور پر بیان کئے گئے ہین، اور جب تک ڈاکٹر صاحب کے پورے مجموعۂ کلام کو پیش نظر نہ رکھا جائے، صرف اسرار خودی سے ان اجزار و مقدمات کی تکمیل نہین ہو سکتی، اسی لئے ہم نے فلسفۂ خودی کے تمام اجزاء و مقدمات سے نہایت مفصل طور پر بحث کی ہے، اور اس بحث کے بعد ڈاکٹر صاحب کا یہ دعویٰ یقیناً صحیح ہے، لیکن سردست سوال صرف اسرار خودی کے متعلق ہے جس سے اس فلسفہ کی ابتدا ہوئی، اور جس کی نسبت ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے، کہ

---

[1] اقبال نامہ ص ۴۵۰، ۴۵۱، [2] اقبال نامہ صفحہ ۴۷۳،

مسلمان صوفیہ و حکماء کے افکار و مشاہدات سے ماخوذ ہے، اس لئے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہئے کہ اسرارِ خودی کے فلسفیانہ اجزاء کہاں تک مسلمان صوفیہ اور حکماء کے خیالات سے ماخوذ یا متاثر ہیں، اسرارِ خودی میں فلسفۂ خودی کے جو اجزاء و مقدمات بیان کئے گئے ہیں، ان کی ترتیب یہ ہے:-

۱- دربیان اینکہ اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیات و تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد۔

اور اس جزء کے متعلق خلیفہ عبدالحکیم جنھوں نے اس بحث پر "رومی نٹشے، اور اقبال" کے عنوان سے نہایت جامع اور مفصل مضمون لکھا ہے، لکھتے ہیں کہ

"خودی کے فلسفہ کی تاسیس میں ص ۱۲ پر جو اشعار ہیں، وہ نٹشے سے ماخوذ ہیں، جس کا فلسفہ یہ تھا کہ عین ذات یا حقیقت وجود ایک انائے ساعی ہو عمل اس کی فطرت ہو اخلاقی عمل اور پیکار اور نشوونما کے لئے اُس نے اپنا غیر یا یا سوا پیدا کیا ہے تاکہ امکان پیکار اور اس کے ذریعہ سے امکانی ارتقا ممکن ہو جائے"

اس فلسفہ کو جوں کا توں اقبال نے اپنے بلیغ و رنگین انداز میں اس طرح بیان کر دیا ہے کہ فلسفہ کا خشک صحرا، گلزار ہو گیا ہے، مفصلہ ذیل اقتباس سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے،

پیکرِ ہستی ز آثارِ خودی است — ہر چہ می بینی ز اسرارِ خودی است
خویشتن را چون خودی بیدار کرد — آشکارا عالمِ پندار کرد
صد جہان پوشیدہ اندر ذاتِ او — غیرِ او پیداست از اثباتِ او
در جہان تخمِ خصومت کاشت است — خویشتن را غیرِ خود پنداشت است
سازد از خود پیکرِ اغیار را — تا فزاید لذتِ پیکار را
می کشد از قوتِ بازوے خویش — تا شود آگاہ از نیروے خویش
ہر یکے گل خونِ صد گلشن کند — از پئے یک نغمہ صد شیون کند

عذرِ این اسراف و این سنگین دلی — خلق و تکمیلِ جمالِ معنوی
شعلہ ہاے او صد ابراہیم سوخت — تا چراغِ یک محمد برفروخت

یہ سب نٹشے کا فلسفۂ انا اور فلسفۂ حیات ہے، جہاں تک افکار اقبال کی اساس کا تعلق ہے اقبال بہ نسبت نٹشے کے فشٹے سے زیادہ متاثر ہے، فشٹے کی کشمکش حیات میں اخلاق اور روحانیت کی بھی چاشنی ہے جو نٹشے میں اس قدر نمایاں نہیں فشٹے ایک خاص انداز کا موحد ہے، اور نٹشے منکر خدا ہے[۱]

۲- حکایت درین معنی کہ مسئلہ نفی خودی از مخترعات اقوام مغلوبہ بنی نوع انسان است کہ باین طریق مخفی اقوام غالبہ را ضعیف می سازند"

اور اس سلسلے میں ایک مستقل عنوان سے افلاطون پر جو تنقید کی گئی ہے وہ خلیفہ عبدالحکیم کے الفاظ میں نٹشے سے ماخوذ ہے[۲]

۳- دربیان این کہ تربیت خودی را سہ مراحل است مرحلۂ اول را اطاعت و مرحلۂ دوم را ضبط نفس و مرحلۂ سوم را نیابتِ الٰہی نامیدہ اند"

اور اس جزء کے متعلق خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں کہ

ان مراحل میں مرحلۂ اول میں خودی کو شتر قرار دیا ہے یہ خیال بعینہ نٹشے سے ماخوذ ہے باقی دو مراحل اقبال نے اسلامیات سے لئے ہیں، نٹشے کے یہاں بھی مراحل تین ہیں، وہ کہتا ہے کہ روح حیات تین مراحل میں سے گذرتی ہے، یا یوں کہو کہ تبدیلِ ہیئت میں وہ یکے بعد دیگرے تین ہیئتیں اختیار کرتی ہے پہلی ہیئت میں وہ اونٹ ہے دوسری میں شیر، اور تیسری میں بچہ ہیئت اشتری میں روح نہایت صبر اور جبر سے اپنے اوپر فرائض اور اوامر و نواہی کا بوجھ لاد لیتی ہے،

۱؎ رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۲۲ ۲؎ ایضاً ۸۲۳،

اس کے بعد جبر اور باربرداری احکام مین سے نکل کر وہ جب ہیئت اختیاری مین آتی ہے، تو شیر ہو جاتی ہے، لیکن نئی اقدار کے پیدا کرنے کے لئے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ تیسری ہیئت طفلی ہو، جس مین معصومیت اور نسیان کی ضرورت ہے، پہلے مرحلے کو بالکل بھول جائے زندگی کو ایک کھیل سمجھے نئے سرے سے اس کا آغاز کرے، اقبال نے نطشے کے تین مراحل مین سے صرف مرحلہ اشتری کو لے لیا، حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے تین مراحل مین سے دو مراحل اطاعت اور ضبط نفس دونون اس مین پائے جاتے ہین۔ نطشے کے یہان جو مرحلہ شیری ہے، اوس کو اقبال نے دوسری جگہ بیان کیا ہے، لیکن اس سلسلے مین اس کو نظر انداز کر دیا ہے[51]،

خلیفہ عبدالحکیم نے ہم کو یہ نہین بتایا، کہ ڈاکٹر صاحب نے مرحلہ شیری کو دوسری جگہ کہاں بیان کیا ہے، لیکن اگر اس کے معنی جبر سے اختیار مین آنے کے ہین، تو اسی سلسلہ مین ڈاکٹر صاحب نے اس کو بھی بیان کر دیا ہے،

تو ہم از بار فرائض سر متاب ‏ ‏ بر خوری از عندہ حسن المآب

در اطاعت کوش اے غفلت شعار ‏ ‏ می شود از جبر پیدا اختیار

۴۔ حکایت طائرے کہ از تشنگی بے تاب بود،

اور اس سلسلہ مین ریزۂ الماس اور شبنم پر جو اشعار ہین، وہ خلیفہ عبدالحکیم کے الفاظ مین براہ راست نطشے کے زیر اثر لکھے گئے ہین[52]،

۵۔ حکایت الماس و زغال،

اور خلیفہ عبدالحکیم کے الفاظ مین اس کا مضمون بھی نطشے سے ماخوذ ہے۔ نطشے کی اخلاقیات کا

---

[51] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۲۴، ۸۲۵، [52] ایضاً ص ۸۲۵،
[53] ایضاً ص ۸۲۵،

اصول اولین جو اس کے مذہب کا کلمہ ہے، یہ ہے کہ سخت ہو جاؤ" اس اصل کی تشریح مین نطشے نے بھی اسی قسم کے استعارون سے کام لیا ہے[53]،

۶۔ الوقت سیف

اس عنوان کے تحت مین برگسان کا فلسفۂ وقت بیان کیا گیا ہے، اور امام شافعی کے ایک قول سے اس کی تائید کی گئی ہے، لیکن خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہین کہ امام شافعی کے قول کے تحت مین کوئی فلسفہ نہین تھا جو فلسفہ اقبال نے برگسان سے لے کر اس قول کی تفسیر مین پیش کر دیا ہے، وہ خود امام صاحب کی سمجھ مین نہ آتا، ان کا تدین اور تورع ایسے افکار سے بہت گریزان تھا[54]،

فلسفۂ خودی کے یہ تمام اجزاء فلاسفۂ مغرب بالخصوص نطشے سے ماخوذ ہین، اور اس کو ڈاکٹر صاحب کے تمام تنقید نگارون نے تسلیم کیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری لکھتے ہین کہ اقبال نطشے کے زیر اثر ہے، اور اس کے ماخذ حکایت الماس و زغال (اسرارِ خودی) سے دیکھے جا سکتے ہین، جو تصنیف مندرجہ بالا کی حکایت "پتھر و کوئلہ" سے ماخوذ ہے[55]،

خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہین کہ "اپنی شاعری کے اوس دور مین جس مین اسرارِ خودی تصنیف کی گئی اقبال نطشے سے متاثر تھے، علاوہ اوس داخلی شہادت کے جو اسرارِ خودی سے بکثرت اور بوضاحت مل سکتی ہے، مجھ کو اس بارے مین شخصی طور پر بھی کچھ معلومات حاصل ہین، یورپ کے قیام کے دوران مین اقبال کو اس مومن قلب اور کافر دماغ مجذوب کا فلسفہ بہت دلکش معلوم ہوا[56]،

دوسرے موقع پر لکھتے ہین کہ پیام مشرق مین نطشے کا اثر اس قدر نمایان نہین، جتنا کہ اسرارِ خودی میں ہے[57]،

---

[54] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۲۶ [55] ایضاً ص ۸۲۶ [56] نیرنگ خیال، اقبال نمبر ص ۱۳۶،
[57] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۹۴، [58] ایضاً ص ۱۰۲،

اخلاقی حیثیت سے نٹشے کے نزدیک اخلاق دو طرح کے ہیں، (۱) آقائی اخلاق (۲) غلامانہ اخلاق، صداقت کی تلاش جرات، زندگی کو لذت والم، اور سود و زیان کے پیمانے سے ناپنا، ہر قسم کا اثبات اور حیات افزا فضیلت آقائی اخلاق کے مظاہر ہیں، اور ہر قسم کی بزدلی، رسوم و قیود سے باہر آنے کی کوشش نہ کرنا، عجز، قناعت، توکل، خیرات حلم، غیرت غرضیکہ ہر قسم کی انفعالی صورتیں غلامانہ اخلاق میں داخل ہیں، خیرات کا دینے والا بھی ذلیل ہوتا ہے، اور لینے والا بھی،[۱]

نٹشے کی اس اخلاقی تقسیم کے بعد ڈاکٹر صاحب کے یہ اشعار پڑھو،

تا کجے دریوزۂ منصب کنی صورتِ طفلان زنے مرکب کنی

فطرتے کو بر فلک بندد نظر پست می گردد ز احسانِ دگر

از سوال افلاس گردد خوار تر از گدائی گدیہ گر نادار تر

از سوال آشفتہ اجزاے خودی بے تجلی نخلِ سیناے خودی

عشق با دشوار ورزیدن خوش است چون خلیل از شعلہ گل چیدن خوش است

ممکنات قوتِ مردان کار گردد از مشکل پسندی آشکار

زندگانی قوت پیداستے اصلِ او از ذوق استیلاستے

عفو بیجا سردیٔ خون حیات سکتۂ در بیت موزونِ حیات

ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است ناتوانی را قناعت خواندہ است

ناتوانی زندگی را رہزن است بطنش از خوف و دروغ آبستن است

گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار گاہ می پوشد رداے انکسار

گاہ او مستور در مجبوری است گاہ پنہان در تہ معذوری است

چہرہ در شبِ تن آسانی نمود دل ز دست صاحب قوت ربود

[۱] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۹۰،

با توانائی صداقت توام است گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

زندگی کشت است و حاصل قوت است شرح رمزِ حق و باطل قوت است

مدعی گر صاحبِ قوت بود دعویش مستغنی از حجت بود

تو صاف معلوم ہوگا کہ وہ بالکل نٹشے کے نظریۂ اخلاق کی تفسیر ہیں،

ڈاکٹر صاحب کے نقادوں نے اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہ کیا ہے کہ نٹشے اور ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ میں فرق و امتیاز پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہیں، کہ نٹشے کے افکار میں سے اقبال کو تعمیر خودی، استحکام خودی، اور عروج آدم کا مضمون پسند آیا، لیکن نٹشے کے یہاں تخریبی افکار بہ نسبت ترکیبی افکار کے بہت زیادہ ملتے ہیں، اس میں جلال کا پہلو جمال کے پہلو پر اس قدر غالب ہے، کہ ہستی محض ایک میدانِ کارزار بن جاتی ہے، اقبال خودی کے ساتھ ایک بیخودی کا فلسفہ بھی رکھتا ہے، ایک کو دوسرے کے بغیر ناقص سمجھتا ہے نٹشے کے یہاں انفرادی خود اختیاری کا اس قدر زور ہے کہ فرد کا رشتہ ملت اور کائنات سے نہایت غیر معین اور مبہم سا رہ جاتا ہے، اس کے یہاں قاہری غالب ہے، اور دلبری مغلوب، اقبال کے نصب العین انسان میں ناز کے ساتھ نیاز بھی ہے، ادعا کے ساتھ تسلیم و رضا بھی ہے، نٹشے جمہوریت اور مساوات کا دشمن ہے، اور غریبوں اور کمزوروں کے لئے اس کے پاس نفرت کے احساس کے سوا کچھ نہیں، اقبال بھی جمہوریت کی موجودہ شکلوں کو دھوکا سمجھتا ہے، لیکن ایک اعلیٰ سطح پر صحیح مساوات کا متلاشی ہے.... نٹشے کے یہاں صداقت کا معیار قوت کے سوا کچھ نہیں، تنازع للبقار کا انداز ظالمانہ، بیرحمانہ اور جابرانہ ہے، اقبال کے یہاں محض قوت صداقت کا معیار نہیں نٹشے خدا کا منکر ہے، اقبال اعلیٰ درجہ کا موحد ہے.... اقبال تمام نوع انسانی کو ابھارنا چاہتا ہے، نٹشے کی نظر فقط چند کامل افراد پر ہے، جو تمام پیکار حیات کا ماحصل ہیں، نٹشے نے ڈارون کے نظریۂ حیات

اخلاق اور فلسفہ کی بنیاد رکھی، اس کا یہ خیال کہ اسی نظریہ کے ماتحت آنے والا انسان موجودہ انسان
سے اتنا ہی مختلف ہو سکتا ہے، جتنا کہ موجودہ انسان کیڑوں مکوڑوں سے مختلف ہو گیا ہے، انسانی
نصب العین میں بڑی قوت پیدا کر سکتا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ نطشے کی وجہ سے بڑے زور شور سے
یہ عقیدہ بھی رکھتا تھا کہ کائنات اپنے حوادث کو ازلی اور ابدی طور پر دہراتی رہتی ہے، جو کچھ ہو رہا ہے
وہ پہلے بھی ہو چکا ہے، جو مخلوق اس وقت ہے، وہ پہلے بھی موجود رہ چکی ہے، اور آیندہ بھی بار بار
وجود میں آتی رہے گی، تکرار ابدی کا یہ عقیدہ نطشے کے جوشِ ارتقاء کے خلاف پڑتا ہے،[1]

پروفیسر یوسف سلیم چشتی بی اے نے اپنے مضمون "اقبال اور فلسفۂ مغرب" مندرجۂ نیرنگ خیال
اقبال نمبر میں جو مسٹر ممتاز حسین صاحب احسن ایم اے اسسٹنٹ اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب کے
انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے، اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے، یعنی پہلے نطشے اور اقبال میں بہت مشابہت
دکھائی ہے، اور پھر دونوں میں فرق و امتیاز پیدا کیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ "جس شخص کے فلسفہ
کا اقبال کے خیالات پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے، وہ نطشے ہے، اس کے فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "خواہش
اقتدار اس کائنات میں ایک بنیادی حقیقت ہے، یہ خواہش زندگی کی فراوانی اور افزونی کی
مظہر ہے، اور بالذات تمام حسنات کی سرتاج ہے، اور اس کے فلسفہ کا یہ سنگِ بنیاد اقبال کے
فلسفہ کے سنگ بنیاد یعنی خودی کی مسلسل جدوجہد کی حالت سے عملی طور پر مطابقت رکھتا ہے....
اقبال اور نطشے کے خیالات میں بڑی حد تک مطابقت پائی جاتی ہے، دونوں کا مسلک یہ ہے کہ
یہ مادی دنیا خودی کی جدوجہد کا ایک وسیع میدان ہے، جس میں وہ مرتبۂ اختیار پر فائز ہونے کی
کوشش کرتی ہے، دونوں کا مذہب یہ ہے کہ آرٹ کے اندر جمال و اقتدار دونوں میں ہم آہنگی
پیدا کرنی چاہئے، دونوں ہی فلسفۂ اخلاق کے مخالف ہیں، دنیا میں رہ کر اور مشکلات کا مقابلہ

[1] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۳۵،

کرنے ہی سے خودی میں پختگی پیدا ہو سکتی ہے، با ایں ہمہ فوق البشر کے تصور کے لحاظ سے اقبال اور نطشے
دونوں میں بڑا فرق نظر آتا ہے، نطشے کا فوق البشر ایک ایسی ہستی ہے، جو رحمدلی اور محبت اور ہمدردی اور اسی
قبیل دیگر صفاتِ قلبی سے جو سوسائٹی کے قیام کے لئے از بس ضروری ہیں، یکسر عاری ہے، اقبال
کا فوق البشر یا انسان کامل ایک ملنسار ہستی ہے، جو سوسائٹی میں دوسرے آدمیوں کے ساتھ
زندگی بسر کرتا ہے، اور اپنی ذاتی قوتوں کی بدولت دوسروں کو اپنی سطح پر لا سکتا ہے،
اقبال کے انسان کامل کا مزاج سختی اور نرمی دونوں کا حامل ہے، اس کے علاوہ نطشے
کا فوق البشر اپنی ذات میں محدود ہے، اس کے سامنے کوئی نصب العین یا مطمح نظر نہیں، برخلاف
اس کے اقبال کے انسان کامل کے سامنے خدا کی ذات موجود ہے، اور خدا چونکہ غیر محدود ہے
اس لئے اس کی ترقی کا میدان بھی غیر محدود ہے، لیکن نطشے کے فوق البشر کے لئے ترقی کرنے کی
کوئی صورت ممکن نہیں، علاوہ بریں نطشے کے فوق البشر میں ایک نقص یہ ہے کہ اوس نے بنی نوع
آدم کو دو طبقوں میں منقسم کر دیا ہے "آقا اور غلام، اوس کا خیال یہ ہے کہ غلام ہمیشہ غلام ہی رہیں گے
وہ کبھی آقا کے مرتبہ کو نہیں پہونچ سکتے، چنانچہ فوق البشر کے مستقبل قریب میں ظاہر ہونے کے لئے
اوس نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ طبقۂ امراء میں اعلیٰ افراد پیدا کئے جائیں، لیکن اقبال کے فلسفہ کے
رو سے ہر شخص غیر محدود ترقیات کا مرکز ہے، ترقی کی راہیں ہر شخص کے لئے یکساں طور پر کھلی ہوئی ہیں[1]
لیکن ان جوابات میں دو نقص ہیں (۱) ایک تو یہ کہ اس اعتراض کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ڈاکٹر
صاحب نے نطشے یا اور کسی فلسفی کا فلسفہ اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ لے لیا ہے، بلکہ ایک
مسلمان کے مذہبی اور اخلاقی مقاصد کے لئے ان کو جس فلسفی کی کوئی بات پسند آئی اس کو انھوں
نے لے لیا، اور اس حیثیت سے فلاسفۂ مغرب میں اُن کی نگاہ سب سے پہلے نطشے پر پڑی، اور اوس کے

[1] نیرنگ خیال اقبال نمبر ص ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶،

فلسفہ میں سے اونہوں نے صرف وہ باتین اخذ کرلین جو اسلام کے مطابق تھین، چنانچہ خود خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہین، کہ اقبال کو نٹشے کی تعلیم کا وہی پہلو پسند ہے، جو اسلام کی تعلیم کا ایک امتیازی عنصر ہے، اسلام کے اس پہلو سے متاثر ہونے کی وجہ سے اقبال نے نٹشے کا اثر قبول کیا اسلام نے جہاد کو ایمان کا ثبوت قرار دیا، اور کہا کہ جہاد ہی اس امت کی رُہبانیت ہے، زندگی باوجود اس کی کلفت اور کشاکش کے اسلام کے نزدیک ایک نعمت ہے، جس مین قوت اور جمال پیدا کرنا ہر مومن کا فریضہ ہے، ارتقاء حیات، علوے آدم، تسخیر فطرت، احترام حیات، جسم اور مادہ کو روحانیت کا معاون سمجھنا، حصول قوت کی کوشش، یہ تمام چیزین اسلام اور نٹشے کی تعلیم مین بہت حد تک مشترک ہین گو انداز بیان بہت مختلف ہے[1]،

ان کے علاوہ جو باتین مذہب اسلام کے خلاف تھین، اُن کو چھوڑ دیا، اس لئے اس فرق و امتیاز کے دکھانے سے یہ ثابت نہیں ہوتا، کہ اسرارِ خودی کا فلسفہ نٹشے سے ماخوذ و متاثر ہی نہین، بلکہ وہ جیسا کہ ڈاکٹر صاحب کا دعویٰ ہے، تمامتر مسلمان صوفیہ و حکماء کے مشاہدات سے ماخوذ ہے،

(۲) دوسرے یہ کہ اعتراض کی ابتدا مثنوی اسرارِ خودی سے ہوئی، اس لئے اسرار ہی کے فلسفہ کو پیش نظر رکھکر اس کا جواب دینا چاہئے تھا، لیکن جواب دینے والون نے ان فروق و امتیازات کو بھی پیش نظر رکھا ہے، جو ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ مین اسرارِ خودی کے بعد پیدا ہوئے مثلاً فلسفۂ بیخودی جس کی نسبت خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہین کہ اقبال خودی کے ساتھ ایک بیخودی کا فلسفہ بھی رکھتا ہے، اسرارِ خودی کے بعد پیدا ہوا، اور ڈاکٹر صاحب نے اس کے متعلق ایک مستقل مثنوی رموزِ بیخودی کے نام سے لکھی، یا یہ کہ اُن کا فلسفۂ خودی سے کوئی تعلق ہی نہین، مثلاً جمہوریت جس کی نسبت خلیفہ عبد الحکیم لکھتے ہین، کہ نٹشے جمہوریت اور مساوات کا دشمن ہے، اور اقبال بھی جمہوریت کی موجودہ شکلون کو دھوکا سمجھتا ہے، ایک سیاسی چیز ہے، اور ڈاکٹر صاحب نے اسرارِ خودی مین اس پر کچھ نہین لکھا ہے، بلکہ بعد کی نظمون مین اس کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کئے ہین،

(باقی)

[1] رسالہ اردو اقبال نمبر ص ۸۱۶

عربوں کا ملکی اقتصادی اور انسانی جغرافیہ

(نوین اور دسویں صدی عیسوی مین)

از

جناب سید محمد ضیاء الدین علوی، ایم اے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

یہ محض اتفاقی بات نہ تھی، کہ عربون کی ملکی فتوحات اور جغرافیائی ترقی کی ابتدا ایک ہی زمانہ سے وابستہ ہین، ملکی فتوحات محض ایک مادی حیثیت ہی نہین رکھتین، بلکہ عربون کی ہمت اور ذہن کو بلند کرنے مین ان کا بہت بڑا حصہ ہے، جہان جہان عربون کی تلوار پہنچی وہان اُن کے قاصد، مسافر، سیاح اور تاجر بھی پہونچے، اونھون نے دوسرے ملکون مین جو کچھ دیکھا، اور جو کچھ سُنا اوس کو اپنی سمجھ کے مطابق قلمبند کر دیا، اسی قسم کے لوگون مین سلیمان تاجر، ابوزید، بزرگ بن شہریار اور ابن فضلان ہین جن کا عربون کے علم جغرافیہ کے ارتقا مین بہت بلند مرتبہ ہے، عربون کو ملکون کے جغرافیہ کا خیال آٹھوین صدی عیسوی مین ہوا تھا، کیونکہ حکومت کے کامون اور مذہبی مقاصد کے لئے ان بڑی بڑی سڑکون کے بارے مین جاننے کی ضرورت پیش آئی، جو اسلامی حکومت کے صوبون کو ملاتی تھین، اوس کا مواد کچھ تو حکومت کے دیوانات سے حاصل کیا گیا تھا، اور کچھ سیاحون اور تاجرون سے جو خاص طور پر دور دراز کے ملکون کی معاشی حالت کے بارے مین اطلاعات بہم پہنچاتے تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ کے بعض علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم مجھے مختلف ممالک کے حالات سمجھاؤ یعنی اُن کی آب و ہوا

حقیقۃً کرۂ ارض کی پیچیدہ ساخت اور وہان کا نظم ونسق اور لوگون پر وہان کی آب و ہوا اور زمین کا اثر[51] فضا کی حقیقت کے بارے مین انسانی جستجو علم جغرافیہ کی مضبوط بنیادین ہین، یہ علم جغرافیہ کے میدان مین پہلا عملی قدم تھا، جو بہت اہم نتائج کا موجب ہوا، اس کے بعد زیادہ زمانہ نہ گذرنے پایا تھا، کہ عربی ادب مین "ملکون کی کتابون" "ملکون اور سڑکون کی کتابون" اور اقالیم پر کتابون کی بھرمار ہوگئی،

سلیمان تاجر

سلیمان تاجر (سنہ ۲۳۷ھ) نے اپنی تصنیف "اخبار الصین والہند" مین چین اور ہندستان کے بحری تجارتی تعلقات اور راستے کے جزیرون کے حالات بیان کئے ہین،

چین کے متعلق اس کی معلومات بہت اہم اور دلچسپ ہین، وہ کہتا ہے کہ چین مین چاول کے علاوہ سیب، لیمون، نارنگی، کیلا، گنا، انجیر، ککڑی، اخروٹ، شفتالو، ناریل اور بادام پیدا ہوتا ہے[52] سلیمان پہلا شخص ہے، جو ایک چینی شرب کا ذکر کرتا ہے، جسے وہ "سہ" کے نام سے یاد کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ پودہ امرود کے پودے سے مشابہ ہے جس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے، اور مزہ کڑوا ہوتا ہے، چینی پانی اُبال کر اس پر ڈالتے ہین، اس کے پینے سے ان کا خیال ہے کہ تمام امراض دور ہو جاتے ہین[53]، حالانکہ یہ ایک نامکمل ذکر ہے، مگر ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہین کہ اس سے چاے کی پتی مراد ہے، سلیمان چین کی طوفانی ہواؤن کا ذکر بھی کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ ساحلی خطون مین بہت طوفان آتے ہین، جو اگست کے مہینے مین شروع ہوتے ہین، اور جزائر ہند سے آنے والے جہازون کو بہت نقصان پہنچاتے ہین[54]، یقیناً یہ وہی چیز ہے، جسے آج کل سائکلون کہتے ہین،

ہندوستان کے متعلق سلیمان کہتا ہے کہ یہان کی پیداوار ناریل، لکڑی، بانس، شہد، آم، مسالہ، موتی، گندھک اور تانبا ہے، خاص شہر دیبل، کھنبات، معبر، مالابار، تانا، سوبارہ اور سرندیپ ہین، دو

[51] المسعودی، مروج الذہب (پیرس ایڈیشن)، جلد ۳ صفحہ ۱۲۳ [52] سلیمان سلسلۃ التواریخ ص ۹ [53] سلیمان اخبار الصین والہند حصہ اول (انگریزی ترجمہ از فرانسیسی) ص ۲۵ [54] اخبار الصین والہند حصہ اول ایضاً ص ۱۱

کہتا ہے کہ بعض ہندی ایسے ہین، جو ایک برتن مین کھانا بہت بڑا گناہ سمجھتے ہین، جب کبھی وہ سیراف آتے ہین، اور کوئی تاجر اُن کو مدعو کرتا ہے تو خواہ سو آدمی ہی کیون نہ ہون، سب کے سامنے الگ الگ برتن رکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے[55] مملکت بلہرا کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہان کے لوگ آواگون کے قائل ہین، ان کا عقیدہ بہت پختہ ہے، جب ان مین عورت یا مرد بڈھے ہو جاتے ہین، تو وہ اپنے یہان لوگون سے کہتے ہین، کہ وہ اُن کو آگ مین ڈال دین، کیونکہ وہ سمجھتے ہین، کہ وہ پھر دنیا مین کسی اور صورت مین آجائین گے[56]، یہان کے باشندون کے عادات و اطوار، مذہب اور راجاؤن کے بارے مین وہ بہت دلچسپ باتین بتاتا ہے،

جزیرۂ ہرگند کے متعلق سلیمان کہتا ہے کہ وہان ناریل کے درخت بکثرت پائے جاتے ہین، کوڑیان اُن لوگون کی دولت ہے، اور ملکہ کا خزانہ کوڑیون سے بھرا پڑا ہے، ان لوگون سے اچھے صناع ان اطراف مین کہین نہین، وہ ناریل کی چھال سے قمیص بناتے ہین، اور ایک ہی ٹکڑے مین مع آستین کے تیار کر لیتے ہین، اسی درخت کی لکڑی سے وہ جہاز اور مکان بناتے ہین، غرضیکہ ہر قسم کے کامون مین وہ ماہر ہین[57] سرندیپ کے بیان مین وہ وہان کی کانون کا خاص طور پر ذکر کرتا ہے، جن مین ہیرے جواہرات، مختلف قسم کے قیمتی پتھر اور سونا قابل ذکر ہین[58]، مسعر ابن مہلہل وسطی ایشیا کی خاص قومون، ملکون اور شہرون کا ذکر کرتا ہے، تغزغز کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ لوگ کچا اور پکا دونون طرح کا گوشت کھاتے ہین، اور اونی و سوتی کپڑے پہنتے ہین، اس کے بعد وہ خرخیز کا ذکر کرتا ہے، کہ یہان لوگون کے ہان عبادتگاہین ہین، وہ بہت ذہین لوگ ہین، لکھنا بھی جانتے ہین، اور سال مین تین مرتبہ دعوتین بھی کرتے ہین، ان کے جھنڈے سبز ہین، وہ جنوب کی طرف منہ کر کے

[55] ابوزید: اخبار الصین والہند حصہ دوم انگریزی ترجمہ از فرانسیسی ص ۹۰-۹۹ [56] ایضاً ص ۷۹-۸۲، [57] سلیمان: سلسلۃ التواریخ ص ۲، [58] ایضاً ص ۳،

عبادت کرتے ہین، مریخ، عطارد اور زحل کو مانتے ہین زحل سے پیشین گوئی کرتے ہین[1]

ابن فضلان

بلغار اور روس کے متعلق ابن فضلان (۳۰۹ھ ہجری) کی معلومات بہت وسیع ہین، وہ کہتا ہے سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ قبل مطلع بالکل سُرخ ہو جاتا ہے، ہم لوگون کو باتین کرتے مشکل سے آدھا گھنٹہ گذرا ہوگا کہ اذان کی آواز آئی، اور ہم لوگ باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہین کہ صبح ہو گئی[2]، ابن فضلان نے خوارزم مین جاڑے گذارے، وہ کہتا ہے کہ دریاے جیحون اپنے مخرج سے دہانے تک منجمد رہتا ہے، اور برف کی موٹائی انیس بالشت ہے، وہ کہتا ہے کہ گھوڑے، خچر اور گدھے کی گاڑیان دریا پر اس طرح چلتی ہین جیسے سڑک پر، برف اتنا سخت ہوتا ہے کہ نہ ٹوٹتا ہے نہ پگھلتا ہے، مین اس کے اوپر تین مہینے تک ٹھہرا ہون، یہان مین نے ایک شہر دیکھا جہان بڑی سخت ہوائین چلتی ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے زمہریر کے دروازے کھُل گئے، یاقوت عبداللہ الفقیر کے حوالے سے لکھتا ہے کہ یہ غلط ہے، کیونکہ برف کی زیادہ سے زیادہ موٹائی پانچ بالشت ہے اور اکثر اوقات اتنی بھی نہین ہوتی، اس کے علاوہ دریا کا صرف بینچ جمتا ہے، اور اس کے علاوہ کوئی حصہ نہین جمتا، وہ سرد ہواؤن کو بھی نہین مانتا[3]، حالانکہ یاقوت ابن فضلان کی تردید کرتا ہے، مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس زمانہ مین ابن فضلان وہان ٹھہرا تھا، وہ زمانہ اتفاقیہ طور پر زیادہ ٹھنڈا رہا ہوگا، اس مین شک نہین کہ یہ علاقہ جس کا ابن فضلان نے ذکر کیا ہے، بہت ٹھنڈے علاقون مین شمار کیا جاتا ہے،

لوگون کے عادات و اطوار کا بیان اس کا دلچسپ مشغلہ ہے، روسیون کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہ کھجور کی طرح لمبے ہین، اور اُن کا رنگ سُرخ ہے، وہ قرطق پہنتے ہین، اور کمبل کندھے کے ایک طرف سے ڈال کر دوسری طرف سے نکال لیتے ہین، وہ اپنے پاس پھاوڑہ، چاقو اور تلوارین رکھتے ہین،

---

[1] یول: چین اور اس کا راستہ (لندن) جلد ۱ ص ۲۵۰ [2] یاقوت معجم البلدان (مصر) جلد ۲ ص ۲۷۶

[3] ایضاً جلد ۳ ص ۴۰۸،

ان مین بعض اپنے جسم کو گردن سے ناخون تک گدواتے ہین، اُن کی عورتون کے پاس ایک ڈبیہ ہوتی ہے جو لوہے، تانبے، چاندی یا سونے کی بنی ہوتی ہے، ہر ایک ڈبیہ مین ایک چھلا ہوتا ہے جس مین چاقو رہتا ہے، گلے مین وہ سونے چاندی کے ہار پہنتی ہین، روسی لوگ لکڑی کے بُت پوجتے ہین، ابن فضلان اُن کی عبادت کے طریقے کا خاص دلچسپی سے ذکر کرتا ہے[1]،

ابن فضلان نے ان اطراف کی تجارت اور پیداوار کا بھی ذکر کیا ہے، خزر کے متعلق وہ کہتا ہے کہ وہان گاؤن نہین ہوتے، کیونکہ ان کی کھیتیان بہت دور تک پھیلی ہوتی ہین، وہ گرمیون مین کھیتون کی طرف آتے ہین، اور فصل کاٹ کر دریا کی طرف لاتے ہین، خزر کا مشرقی حصہ تجارت کی منڈی ہے، وہان سے کوئی چیز باہر کے ملکون کو نہین بھیجی جاتی، البتہ موم، شہد، ریشم اور اون وغیرہ ممالکِ غیر سے آتا ہے[2]، اس مین شک نہین کہ اس قسم کے جغرافیائی بیان مین بہت سی خامیان ہین، مثلاً نہ تو ابن فضلان نے آب و ہوا اور پیداوار کا باہم تعلق دکھایا، اور نہ زمین کی ساخت کا پیداوار پر اثر، تاہم ایک جغرافیہ دان کی حیثیت سے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے، کیونکہ ابن فضلان پہلا شخص ہے جس نے ان ممالک کے جغرافیائی حالات تفصیل سے لکھے ہین،

ابن خرداذبہ

ابن خرداذبہ (۲۵۰ھ ہجری) کی تصنیف ہمارے لئے ضلعون اور صوبون کو ملانے والی سڑکون اور راستون کی تفصیل کے علاوہ مختلف صوبون کی آمدنی اور پیداوار کے صحیح اعداد و شمار فراہم کرتی ہے، بغداد کے آس پاس سے شروع کرتے ہوئے پہلے چین کی سرحد تک کے مقامات کا ذکر کرتا ہے، اس کے بعد بحرِ ازرق تک کا ساحلی راستہ، پھر دریاے دجلہ سے بحر اٹلانٹک تک کا راستہ بیان کرتا ہے، اور سب کے بعد زمین کے شمالی اور جنوبی سرون کا حال بیان کرتا ہے،

یورپ اور ایشیا کی آمد و رفت اور تجارت کے متعلق وہ کہتا ہے کہ "یہودی تاجر عربی، فارسی،

---

[1] یاقوت: معجم البلدان (مصر) جلد ۴ ص ۳۰۲ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۴۳۲،

رومن (لاطینی اور یونانی) بولتے ہین، وہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کی طرف سفر کیا کرتے ہین، یا تو بحری راستے سے یا بری راستے سے، وہ مغرب سے باندیان، غلام، کھال اور تلوارین لایا کرتے ہین، وہ فرما کے مغرب مین فرنگیس مشرقی سمندر کے راستے سے روانہ ہوتے ہین، پھر وہان سے جار، جدہ، سندھ، ہند، اور چین کی طرف روانہ ہوتے ہین، واپسی پر ایلوا، مشک، کافور اور دوسرے مشرقی ممالک مین پیدا ہونے والی چیزین لاتے ہین، اور پھر قلزم سے ہوتے ہوئے فرما جاتے ہین، اور وہان لنگر انداز ہوتے ہین، کچھ تو تجارت کا مال بیچنے قسطنطنیہ چلے جاتے ہین، اور باقی فرنگیس کے ملک کو لوٹ جاتے ہین،[1]

اصطخری جغرافیہ کے ابتدائی دور مین اصطخری (۳۴۰ھ ہجری) کی کتاب المسالک والممالک بھی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، یہ دو پہلوؤن کے اعتبار سے پرکھی جا سکتی ہے، (۱) ممالک (۲) باشندگان ملک کا مطالعہ پہلے جائے وقوع، پھر ملک کے مختلف حصون کے اعتبار سے کیا جا سکتا ہے، جائے وقوع مین ملک کی لمبائی چوڑائی، وسعت اور حدود شامل ہین، ملک کے مختلف حصون کی تشریح بھی دو طرح سے کی ہے، یعنی حصون کا ایک عام مطالعہ اور علحدہ علحدہ اُن کی تشریح، وادیون، ریگستانون، میدانون، پہاڑون، اور دریاؤن کا بیان تفصیل کے ساتھ کیا ہے، وہان کی پیداوار اور دوسری اشیاء کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا ہے، جہانتک باشندون کا تعلق ہے، اصطخری نے اُن کی فطرت، مذہب، عادات و اطوار، رسم و رواج، غذا اور لباس پر خاص توجہ کی ہے، اس کتاب مین انسان اور اس کے جغرافیائی ماحول کے توازن کو زیادہ اچھی طرح نبھایا گیا ہے،

اصطخری نے فارس کے بیان مین آب و ہوا کو تقسیم کی بنیاد قرار دیا ہے، اُس نے ملک کو دو

[1] ابن خردادبہ:- کتاب المسالک الممالک (لیدن) صفحہ ۱۵۳ تا ۱۵۴ اصطخری:- کتاب المسالک والممالک (لیدن) دیکھئے بیان فارس،

حصون مین تقسیم کیا ہے، جنوبی گرم خطہ، اور شمالی سرد خطہ، سرد خطے مین بعض علاقے ایسے ہین، جہان سخت سردی پڑتی ہے، جس کی وجہ سے بعض زراعتی پیداوارون کے علاوہ پھلون مین کچھ نہین پیدا ہوتا، گرم خطے مین بعض علاقے ایسے گرم ہین، کہ وہان چڑیا تک کا گذر نہین، سرد خطے کی آب و ہوا صحت کے لئے مفید ہے، اور گرم خطے کی آب و ہوا صحت کے لئے مضر، مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ ملک کی طبعی حالت اور آب و ہوا کو سرسری طور پر اس طرح بیان کرتا ہے کہ اس کا رشتہ انسانی زندگی کے ساتھ ظاہر ہو سکے، مگر وہ اس کو بہت سادہ طریقے پر بیان کرتا ہے، دوسرے الفاظ مین یون کہہ سکتے ہین، کہ اس جغرافیہ دان کے نزدیک ایک خطہ انسانی زندگی کے لحاظ سے اس کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے، طبعی حالات محض ایک ضمنی حیثیت رکھتے ہین، فارس کے باشندون کے متعلق وہ کہتا ہے، کہ گرم علاقے کے لوگون کی تندرستی اچھی نہین رہتی، اور اُن کے بال ذرا کالے ہوتے ہین، سرد خطے کے لوگ بہت مضبوط اور تنومند ہین، وہان تین زبانین رائج ہین، بولنے کے لئے فارسی، بادشاہون، اور نوابون کے دفتر کے لئے عربی، اور اُن کی کتابون کی عجمی زبان، لوگون کے لباس کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ میرے خیال سے عراق کا سا حال ہے، وہ عمدہ کپڑے پہنتے ہین، عام طور پر جوتے پہنتے ہین، صافہ بہت لمبا باندھتے ہین، اور طیلسان استعمال کرتے ہین، فارس کے بادشاہون کے بارے مین وہ کہتا ہے، کہ وہ نیچی قمیص پہنتے ہین، صافہ باندھتے ہین، اُس کے نیچے چوکور ٹوپی پہنتے ہین، اور کمر مین تلوار باندھتے ہین،

مندرجۂ بالا اشارون کے علاوہ اُس نے فارس کی صنعت اور تجارت کا بھی ذکر کیا ہے، جور سے مار الورد، مار الطلع اور مار القیصوم باہر بھیجا جاتا ہے، سابور سے مختلف قسم کے تیل باہر بھیجے جاتے ہین، شنیز، اجبا با کارزون اور توج سے کتان اور نسا سے کپڑے تمام دنیا مین بھیجے جاتے ہین، سیراف سے عود، عنبر اور کافور، آبنوس، مسالہ اور ادویہ تمام فارس مین بھیجی جاتی ہین، اس کی کتاب مین اسلامی ممالک کے

دوسرے صوبون کے بارے مین بھی بہت سی قیمتی معلومات کا ذخیرہ ہے، کیونکہ اُس نے ہر صوبہ کا جغرافیہ علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کیا ہے، اصطخری کی تصانیف کی عمدگی کے بارے مین بہت کچھ کہا جا چکا ہے پچھلے زمانہ کی کوئی بھی تصنیف اتنی باقاعدہ نہین، کہ اُس کی تصنیف کے مقابلہ مین رکھی جا سکے، اس کام کی مقبولیت ایک بات سے اور بھی ظاہر ہوتی ہے، وہ یہ کہ اس کی وجہ سے دوسری کتابین بھی رائج ہوئین، جو ان ہی اصولون پر لکھی گئی تھین،

ابن حوقل | اصطخری کی کتاب پر اس کے معصر اور دوست ابن حوقل نے تصحیح کی، جو بعد کو اسی کے نام سے شائع ہوئی، ابن حوقل (۳۳۱ھ ہجری) اپنے خیالات کو اس پیش لفظ مین یون بیان کرتا ہے کہ مین ہر خطے کی حدود کو ظاہر کر دیتا ہون، شہر دریا جو اس علاقے مین بہتے ہین، پانی کے ذرائع جو زمین کو سیراب کرتے ہین، ٹیکس، اس علاقے کے راستے، وہ حدود جو اس کو ملحقہ علاقون سے علیٰحدہ کرتی ہین، اور تجارت کی نوعیت، ان سب چیزون کو مین واضح کر دیتا ہون[1]، اصطخری اور ابن حوقل تمام اسلامی ممالک خصوصاً جزیرہ فارس اور سمرقند اور وہان کے باشندون کے بارے مین بہت ہی صاف اور صحیح تصور رکھتے تھے، انھون نے دریاے نیل کے جیجون اور سیحون سے پامیر تک کے تقریباً ہر علاقے کے امن و امان اور خوشحالی کی تصویر کھینچی ہے، ابن حوقل کہتا ہے کہ دنیا بھر مین سمرقند کے میدانون اور دمشق کے نخلستانون سے زیادہ خوشگوار اور صحت بخش آب و ہوا کہین نہین ہے، صغد کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ آٹھ دن کی مسافت تک دونون طرف بستیون اور باغون، کھیتون اور مکانون اور بہتے ہوے پانی کے ذخیرون اور چشمون کی بہتات ہے، اور اگر کوئی بخارا کے پرانے قلعے پر کھڑا ہو جائے، تو جہان تک نظر کی پہنچ ہے، ملک مالا مال نظر آئے، افق تک جہان سرسبز زمین اور آسمان کا کنارہ ملتا ہوا معلوم ہوتا ہے، سبزی ہی سبزی ہے[2]، وہان کے لوگ بھی

---

[1] ابن حوقل، کتاب المسالک والممالک ص ۱۳، [2] ایضاً ص ۳۴۵،

ملک کے لائق سپوت ہین، وہ ایثار و پیشتر کین قافلون کے لئے سرائین، اور پل بنوانے مین خرچ کرتے ہین، فرغنہ کے بارے مین بھی وہ کہتا ہے، کہ وہان باغ، درختون کے جھنڈ آباد مقامات اور بارونق بازار ہین، زمین جہان کاشت ہوتی ہے، ہوائی اور پن چکیون سے مالا مال ہے[1]،

مقدسی | دسوین صدی تک کے تمام نمایان ماہرین جغرافیہ مین جن کا اقتصادی اور ملکی جغرافیہ کی توسیع مین کچھ حصہ ہے، ہمین مقدسی سربرآوردہ اور بلند معلوم ہوتا ہے، وہ زمانہ کے سب سے بڑے جغرافیہ دانون مین شمار کیا جاتا ہے، علم جغرافیہ مین اس کی دست رس ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے، وہ کہتا ہے ہمین نے یہ مناسب سمجھا کہ اس چیز کی طرف توجہ کرون جسے لوگون نے نظر انداز کر دیا، اور علم کی اس شاخ کو علیٰحدہ کر دون، جسے لوگون نے مکمل طور پر نہین سمجھا، اور وہ ہے اسلامی ممالک کا جغرافیہ، جس مین جھیلون اور سمندرون، دریاؤن اور ریگستانون، مشہور شہرون، سڑکون کے کنارے سڑیون اُن تجارتی راستون، دواؤن اور دوسری اشیاء، کاشت اور پیداوار کے علاقون باہر جانے والی چیزون روزمرہ ضروریات کی اشیاء غرضیکہ سب کا بیان ہو، اور اس مین زبانون کی کثرت، طرز کلام رنگ اور نسل اور مذہبی عقائد کے اعتبار سے مختلف ملکون کے باشندون کی تفصیل بھی شامل ہو جس مین اُن کے روزمرہ کے پیمانے اور اوزان، چھوٹے بڑے سکے، کھانے پینے کی تفصیلات، پھل، پھلاری، ان کی اچھائیان اور برائیان زراعت کے لائق علاقے چٹیل بیکار علاقے، ریگستان، میدان پہاڑ، چونا اور ریت مضبوط اور پوچی زمین خوشحال اور زرخیز علاقے، صنعتی کاریگریان، اور ادبی سرگرمیان، وہ علاقے جو آبپاشی کے محتاج نہین، اور جنگلات کا بھی ذکر ہو[2]،

اس اقتباس کی تشریح چند اہم ترین پہلوؤن کو بے نقاب کرتی ہے، اوّل تو یہ کہ

---

[1] ابن حوقل: کتاب المسالک والممالک صفحہ ۳۲۶، [2] المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص،

مقدسی (موجودہ ۳۰۵ھ) نے جغرافیہ کی پہلی مکمل اور جامع تعریف پیش کی ہے، دوسرے یہ کہ اس نے جغرافیہ کی تعریف میں وہ تمام باتیں شامل کی ہیں جن کو ہم آج بھی شامل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، تیسرے یہ کہ علم جغرافیہ کی چھان بین میں اس کا خاص مقصد فائدہ مندی کے ساتھ ساتھ انسانی خصوصیات کی طرف توجہ دینا ہے، آخری خصوصیت یہ ہے کہ المقدسی کسی زیر تذکرہ ملک کے خط وخال اور آب و ہوا پر خاص توجہ دیتا ہے، اور اس کے بعد دوسری خصوصیات کا ذکر کرتا ہے، مثلاً پودے، جانور، معدنیات، کارخانے، تجارت اور تجارتی راستے وغیرہ وغیرہ،

اس ترتیب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ انسان اور اس کی جدوجہد کے مطالعہ کی تمہید کے لحاظ سے نوادر جغرافیہ کے بارے میں اس کا تصور کتنا صاف اور روشن تھا،

اپنی کتاب احسن التقاسیم میں المقدسی نے اپنے آپ کو زندگی کے ایک مشاہدہ کرنے والے کی حیثیت سے بے نقاب کیا ہے، وہ اپنی کتاب میں کہتا ہے، کہ دس شہر ایسے ہیں، جہاں کی بعض چیزیں مشہور ہیں، بغداد کی تہذیب، کوفہ کی فصاحت، بصرہ کی صنعت، مصر کی تجارت، رے کی دغابازی، نیشاپور کی جفاکاری، اہل مرو کی کنجوسی، بخارا کے باشندوں کی نخوت اور سمرقند کی دستکاری،[1] وہ کہتا ہے کہ عراق بہترین صوبہ ہے، اس کی آب و ہوا دل و دماغ کے لئے بہت مفید اور خوشگوار ہے، اور دل و دماغ کو کہیں اتنا سکون اور فرحت نہ حاصل ہو گی، المشرق سب سے بڑا صوبہ ہے، جہاں بہترین قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں، جہاں سب سے زیادہ عالم فاضل لوگ موجود ہیں، اور جہاں کی آب و ہوا سب سے زیادہ سرد ہے، لکڑی اور ریشم کی سب سے زیادہ مقدار دیلم سے حاصل ہوتی ہے، اور رقبے کے لحاظ سے سب سے زیادہ خراج اسی حصہ سے حاصل ہوتا ہے، الجبال میں بہترین دودھ شہد، روئی اور زعفران پائی جاتی ہے،

[1] ابن حوقل:- کتاب المسالک والممالک ص ۳۲۶ [2] المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم صفحہ ۳۳ [3] ایضاً صفحہ ۳۳،

الرحاب میں پھل اور جانوروں کا چارہ کثرت سے پایا جاتا ہے، یہاں چیزیں بہت سستی ہیں لیکن یہاں کے لوگ بے حد کاہل ہیں، خوزستان کے لوگ بدترین نسل سے ہیں، اور کرمان کے لوگ سب سے زیادہ شریر، مگر یہاں کی کھجوریں سب سے زیادہ میٹھی ہیں، وہ صوبہ جہاں شکر، چاول، مشک اور بے ونیوں کی کثرت ہے، سندھ ہے، وہ صوبہ جہاں کے لوگ بہت ذہین اور جہاں بے حد عیاشی ہے، فارس ہے، سب سے زیادہ گرم اور قحط زدہ علاقہ جزیرہ نمائے عرب ہے، جہاں کھجوریں سب سے زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہیں، جس جگہ رحمتوں کا نزول ہوا ہے، اور جو مقدس لوگوں، راہبوں اور عبادت گاہوں سے پُر ہے، وہ ملک شام ہے، ملک مصر میں زیادہ لوگ زاہد ہیں، اور طالب علم ہیں، یہاں دولت ہے؛ تجارت کی خاص قسم کی پیداوار ہیں، اور کھانے کے لئے غلہ یہاں کی سڑکیں سب سے زیادہ خطرناک ہیں، یہاں کے گھوڑے بہترین اور یہاں کے لوگ سب سے زیادہ عالی ظرف ہیں، سب سے آخر میں المغرب ہے جس کا رقبہ بہت بڑا ہے، جہاں سب سے زیادہ شہر ہیں، جہاں کے لوگ سب سے زیادہ غیر مہذب، تندرست، اور دھوکہ باز ہیں؛[1]

المقدسی نے یہ کہکر کہ دس علاقے ہیں، جہاں دس خاص چیزیں پائی جاتی ہیں، اُس نے جغرافیائی اثر کی اصلی کیفیت کا مشاہدہ کیا ہے، حکومت کے صوبوں کی خاص خاص چیزوں پر روشنی ڈال کر اس نے علم جغرافیہ کا فلسفہ بتایا ہے، جو زیادہ تر انسان اور معاشیات سے متعلق ہے، تاہم اس امید افزا تمہید کے باوجود بھی ان اسباب کی تشریح کی، جن پر صوبوں کی صنعت، نشوونما اور زوال کا دار و مدار ہے، اس کے علاوہ اُس نے بیان کئے ہوئے جغرافیائی اور تاریخی پس منظر میں ربط و ضبط قائم کرنے کی تو اور بھی کم کوشش کی ہے، کچھ بھی ہو المقدسی میں بات کے سمجھنے کی، تھوڑی سی مثالوں پر عام رائے قائم کرنے کی اور موازنے کی خداداد اہلیت تھی،

[1] المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۳۳،

جغرافیائی ماحول اور اس مین انسانی جدوجہد آج کل کے جغرافیہ کے عالمون کی دلچسپی کی چیز ہے
ملک شام کی آب و ہوا پر المقدسی کا بیان دسوین صدی کے اصول اور نقطۂ نظر کے اعتبار سے ایک
عمدہ نمونہ ہے، وہ کہتا ہے کہ ملک شام کی آب و ہوا وسطی علاقے الشراۃ سے حولہ کے درمیان کے
حصے کے علاوہ معتدل ہے، اور اس گرم علاقے مین غلہ، نیل اور کھجور کے درخت اُگتے ہین، ایک دن
جب کہ مین جربکو مین مقیم تھا، تو ایک حکیم نے کہا اس وادی کو دیکھو تو مین نے جواب دیا "اچھا" تو اس
نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ وادی یہان سے حجاز اور پھر یمن سے ہوتی ہوئی عمان
اور ہجر اور اُس کے بعد بصرہ اور عراق سے گذرتی ہوئی موصل کے بائین طرف رقہ تک پھیلی ہوئی ہے
یہان ہر زمانے مین گرمی پڑتی ہے، اور کھجور کے درختون کی کثرت ہے[1]

عراق کی آب و ہوا کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ اس جگہ کی آب و ہوا مختلف قسمون کی ہے اس
طرح بغداد اور واسط، اور درمیانی علاقے کی آب و ہوا، صاف مگر گرم اور جلدی جلدی بدلنے والی ہے،
کیونکہ موسم گرما مین سخت گرمی پڑتی ہے، اور موسم صرف اسی وقت خوشگوار ہوتا ہے، جب شمالی
ہوا چلنے لگتی ہے[2]

مذکورۂ بالا اقتباس مین ہم ایک بے بنیاد اور بے ترتیب بیان پاتے ہین جس مین مصنف نے
آب و ہوا پر عرض البلد اور مقامی طبعی حالت کے اثر کی طرف کوئی توجہ نہین دی ہے، بارش جیسی
ضروری چیز تک کا ذکر نہین، لوگون کے طور طریقون اور رسم و رواج کے بارے مین المقدسی کا
خیال البتہ قابلِ غور ہے، اہلِ شام کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ اُن کو اپنے لباس پر ناز ہے، اعلیٰ
عوام اور ہر طرح کے لوگ عبا پہنتے ہین، اور وہ گرمیون مین جوتا نہین پہنتے، بلکہ اکثر چپل پہنتے
ہین، اہلِ شام بارش کے زمانہ مین اپنے لبادون کا بٹن نہین بند کرتے، بلکہ کھلا چھوڑ دیتے ہین، اور

[1] المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۱۷۹ [2] ایضاً ص ۱۲۵،

اُن کے طیلسان کھوکھلے نہین ہوتے، اور مکہ مین خاص خاص تاجر مصری خچرون پر زین کس کے سوار
ہوتے ہین، صرف سردار اور امراء ہی گھوڑون پر سوار ہوتے ہین ، معمولی اور گاؤن کے لوگ
نیز اسی طرح یروشلم اور نابلس کے حصون کے کسانون کا پہناوا صرف ایک چادر ہے[1]

المقدسی بعض وقت مختلف قومون کو چند خصوصیات سے متصف کرتا ہے، جو بار بار
کے ذکر سے فرسودہ معلوم ہونے لگتے ہین، مثلاً وہ اکثر جگہ کہتا ہے کہ اہلِ مکہ کا غرور بھی ان کی
بعض خصوصیات مین سے ہے، یمن کے لوگون مین کوئی نفاست نہین، عمان کے لوگ ہلکے ہوتے
ہین، اور مجانبان کرتے ہین، عدن کے لوگ کم بولتے ہین، اور دھوکے دیتے ہین، اور احقاف
کے لوگ ملحد ہوتے ہین[2]

عرب جغرافیہ دانون کا فلسفہ انسانی جغرافیہ کے اس اصول پر مبنی ہے کہ ہر خطے کے لئے
مناسب اسباب ہین، جو وہان کے باشندون، طرز تمدن اور طبعی حالت پر اثر ڈالتے ہین اور
یہ اصول یونانی مصنفون، ارسطو، جالینوس اور بقراط سے لیا گیا ہے، انسان اور اس کے معاشرتی
نظام پر جغرافیائی ماحول کے اثر کا مطالعہ ابتدا ہی سے کیا جا رہا ہے، ارسطو نے اپنی کتاب Pol-
itics مین شہرون کی جائے وقوع اور لوگون کی خصلتون پر آب و ہوا اور جغرافیائی محلِ
وقوع کا اثر دکھایا ہے، اس جغرافیائی ماحول کی اہمیت کے بارے مین سب سے اہم کتاب
جس مین یونانی نظریہ بتایا گیا ہے، کتاب الماء والہواء ہے، جس کا ترجمہ حسین بن اسحاق نے
عربی مین کیا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب نے عرب جغرافیہ دانون، طب کے مصنفون اور مؤرخون
کے دماغون پر گہرا اثر ڈالا ہے،

ابن رستہ | اس صنف کے اہم مصنفون مین ابن رستہ (۲۹۰ھ ہجری) کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے،

[1] المقدسی: احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم ص ۱۸۳ [2] ایضاً ص ۱۰۳

گو کہ اس کی کتاب کا زیادہ تر مواد طبعی اور تاریخی معاملات ہیں، مگر اس کتاب میں چند ایسے اشارے ہیں جو ایک حد تک جغرافیائی اثرات کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہیں،

جو لوگ کہ راس السرطان کے مدار سے شمال کی جانب فاصلے پر ہیں، جیسے بابل یا اس جیسے دوسرے شہر تو سورج اُن کے سمت آکر اُس سے نہ تو دور ہوتا ہے، اور نہ قریب، لیکن اس کا گذر اُن پر اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے، اس لئے کہ اُن کی ہوا اچھی ہوتی ہے، مزاج کے بنانے میں، اور اُن کی جگہ معتدل ہوتی ہے، نہ وہاں سخت گرمی ہوتی ہے، اور نہ سخت سردی، اُن کے بدن اُن کے رنگ اور اُن کی طبیعتیں معتدل ہوتی ہیں، اور اُن کی عقلیں اور اخلاق اچھے ہوتے ہیں، اُن میں علم و دانائی اور چیزوں کے جاننے کے لئے آگے بڑھنے کا جذبہ اور اچھے اخلاق بکثرت ہیں، اور یہ زمین علماء اور پیغمبروں کی ہے، جسم و صورتیں اور رنگ اور علوم اور اخلاق ایک دوسرے سے جدا اور ایک دوسرے سے مناسبت میں مختلف ہیں، کیونکہ اُن کی جگہیں مدار شمسی سے مختلف ہیں، اور اس لئے بھی کہ سال کے زمانے اُن پر مختلف ہوتے ہیں، اور تغیرات بھی علحدہ علحدہ، جس طریقے پر کہ یہ جگہیں جن کا ہم نے ذکر کیا، مختلف ہیں، اور ہر جگہ کی ایک خاصیت ہے، جو دوسری میں نہیں پائی جاتی، اسی طریقے پر جگہ اور شہر کا جس کا ہم نے ذکر کیا، یہی حال ہے، کہ وہاں کے لوگوں کی خاصیت اور طبیعت مخصوص ہے، اور ایک جگہ سے دوسری جگہ کے لوگوں کی صورتوں میں اختلاف ہے، حیوانات، نباتات، معدنیات، سردی، گرمی، چشمے، مذہب، اخلاق اور تمام چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو دوسرے شہروں میں نہیں پائی جاتیں، یہ اختلاف ہر جگہ اور ہر شہر میں پایا جاتا ہے، یہاں تک کہ یہ اختلاف ان جگہوں میں بھی پایا جاتا ہے، جو ایک دوسرے سے بالکل قریب قریب ہیں، اس کا دار و مدار آفتاب سے قربت یا بُعد پر ہے، باعتبار مدار کے ہے، اور ستاروں پر جو ثابت ہوتے ہیں، اُن کے سمت الراس پر[1]

[1] ابن رستہ: اعلاق النفیسہ ص ۱۰۲، ۱۰۳،

مسعودی بنی نوع انسان پر جغرافیائی ماحول کے اثر کے بارے میں ابن رستہ کے خیالات کی صدائے بازگشت مسعودی (۳۰۳ھ ہجری) کی تصنیفات میں پائی جاتی ہے، اُس نے پرانے زمانہ کے نجومیوں کی طرح آسمانی نشانیوں کے ذریعہ جو عرض البلد سے متعلق ہیں جغرافیائی اثرات کا بہترین نمونہ پیش کیا ہے، اور اسی سے آب و ہوا کا اخلاق پر اثر کا اصول اخذ کیا گیا ہے،

دنیا کے چار حصے ہیں، ایک شرقی ہے، اور وہ ہے، جو خط جنوب و شمال سے مشرق کی طرف سے نیچے کو واقع ہے، یہ مردانہ چوتھائی حصہ ہے، اُس کی دلالت بڑی زندگیوں اور بڑے بادشاہوں کی مدتوں پر اور مردانگی پر اور عزت نفس پر ہے، بھید کا چھپانا یہاں کم ہے، معاملات کو ظاہر اور اُن پر فخر کیا جاتا ہے، اور اسی قسم کی باتیں ہیں جن کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب کی طبیعت اسی قسم کی ہے، کہ یہاں کے لوگوں کو تاریخ اور سیرت اور سیاسیات اور نجوم میں دخل ہے، دوسرا چوتھائی حصہ عربی ہے، اس حصے پر نسوانیت غالب ہے، سوائے اس حصہ کے کہ جہاں مردانہ ستاروں کا غلبہ ہے، جیسے کہ مردانہ کا غلبہ مشرق پر ہے، بجز اس حصے کے کہ جہاں نسوانی ستاروں کا غلبہ ہے، یہاں کے لوگ باتوں کو چھپاتے ہیں، اور دیندار ہیں، اور بہت سی رایوں اور خیالوں کو مانتے ہیں، اور بہت سی اسی قسم کی باتیں ہیں، کیونکہ یہ باتیں چاند کے قسم کی ہیں، شمالی چوتھائی حصے کے باشندوں سے آفتاب دور پڑ جاتا ہے، جو لوگ کہ شمال کی انتہا میں رہتے ہیں، جیسے صقلبی اور فرنگی قومیں رہتی ہیں، چونکہ سورج کا اثر دوری کی وجہ سے وہاں کم ہے، اس وجہ سے وہاں سردی اور رطوبت کا زور ہے، اور برف بہت پڑتی ہے،

حرارت اُن کے اندر کم ہے، اور اُن کے جسم بڑے بڑے ہیں، اُن کی طبیعتیں اور اخلاق سخت ہیں، اُن کے ذہن کند اور زبانیں موٹی ہیں، اُن کا رنگ سفید ہے، اور اس حد تک سفید ہے کہ نیلگونی کی حد تک پہونچ گیا ہے، اُن کی کھالیں پتلی لیکن جسم پر گوشت ہے، اِن کی آنکھیں نیلی ہیں،

اور اُن کا رنگ ان کی طبیعت پر رنگ لائے بغیر نہین رہ سکتا، اُن کے بال گھونگروالے اور سرخ ہین، کیونکہ رطوبت غالب ہے، اُن کے مذہبون مین پختگی نہین، یہ نتیجہ ہے سرد طبیعت کا اور حرارت نہ ہو نیکا، جو لوگ شمال کی طرف بہت اندر آباد ہین، ان پر کند ذہنی غالب ہے سختی اور وحشت ان کے اندر بڑھتی جاتی ہے، یہی حال اُن ترکون کا ہے، جو شمال مین اندر کو رہتے ہین، آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت آفتاب کے مدار سے دوری کی وجہ سے وہان برف باری بہت ہوتی ہے، اور ان کے مکانون پر برودت رطوبت کا زور ہے، اُن کے بدن بھاری اور ڈھیلے پڑ گئے ہین، اُن کی پیٹھ کی ہڈیان نرم اور گردن کی چوڑی ہڈیان بھی ایسی ہی ہین، یہان تک کہ تیر اندازی کے لئے آسانی ہوگئی ہے، اور گوشت کی زیادتی کی وجہ سے اُن کے جوڑ گڈھون مین گھسے ہوئے ہین، اُن کے چہرے گول گول اور آنکھین چھوٹی ہین، کیونکہ حرارت اُن کے چہرون مین جمع ہوگئی ہے، اور برودت اس وجہ سے کہ برودت اُن کے جسمون مین پختہ طریقے سے سرایت کر گئی ہے، سرد مزاج مین خون زیادہ پیدا ہوتا ہے، اس وجہ سے اُن کے رنگ سُرخ ہوگئے ہین، کیونکہ برودت کی کیفیت یہ ہے کہ وہ حرارت کو اکٹھا کرکے ظاہر کرتی ہے، اس عرض البلد سے کچھ ہٹ کر ساٹھ سے زیادہ میل اوپر یاجوج ماجوج ہین، یہ لوگ چھٹی اقلیم مین ہین، اور ان کا شمار جانورون مین ہے[51]

المسعودی نے بہت وسیع پیمانے پر جغرافیائی ماحول اور انسان کے تعلق کا ذکر کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ اولاد آدم کی ایک نسل ہندوستان کی سرحد تک پہنچی، ملک کی آب وہوا نے آنے والون پر اثر دکھایا، اور یہان کے لوگ ایک روپ مین ہندوؤن کے سے ہین،

زنجیون کی جسمانی حالت کے بارے مین وہ کہتا ہے، کہ

وہ ہندوؤن سے رنگ روپ ساخت، ذہانت وذکاوت کے لحاظ سے بہت ملتے جلتے ہین،

---

۵۱ المسعودی، کتاب التنبیہ والاشراف صفحہ ۲۳، ۲۴،

جالینوس کہتا ہے، کہ حبشیون کی محض خصوصیات انہی کے ساتھ مخصوص ہین، اور دوسری قومون مین نہیں پائی جاتین، مثلاً گھونگھرے بال ...... موٹے ہونٹ چوڑے نتھنے تیز دانت سخت کھال اور سیاہ رنگت، یہ ملک چونکہ بہت گرم ہے، اس لئے اجرام فلکی اس پر اپنا اثر دکھاتے ہین، اور یہان کے لوگون کے مزاج ایسی روش پیدا کر دیتے ہین، کہ جسم کا بالائی حصہ بڑھ جاتا ہے، چنانچہ اُن کی آنکھین لمبی، ہونٹ موٹے، ناک چوڑی اور لمبی اور پیشانی بلند ہوتی ہے[52]

تبت کے لوگون کے بارے مین وہ کہتا ہے کہ یہان کے لوگ بڑے جاندار خوش مزاج اور زندہ دل ہین یہان تک کہ بڈھے آدمی کے چہرے سے بھی سستی اور کاہلی کا اظہار نہ ہوگا، بلکہ بڈھے اور جوان سب لوگ مساوی طور پر شاد اور خوش وخرم ہوتے ہین، اس زندہ دلی اور خوشی کی وجہ سے اُن مین رقص و سرود کا رواج ہے[53]

المسعودی نے جغرافیائی اثرات کو صرف انسان تک ہی محدود نہین رکھا، بلکہ اُن کا اثر درختون پر بھی دکھایا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ناریل کا درخت دراصل کھجور کے درخت کی ہی دوسری صورت ہے، جو اس نے ہندوستان کی زمین پر پہونچ کر اختیار کرلی ہے، اس مین شک نہین کہ ان مصنفین کے خیالات سے لوگ متاثر ہوئے، مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ اثر لوگون مین بالعموم مقبول تھا یا نہین، لیکن مسعودی کے نظریے کو ابن خلدون نے گیارہوین اور تیرہوین صدی کے ایک قابل تحقیق مسئلے کی حیثیت سے بیان کیا، اور ترقی دی، جغرافیائی اثرات کی نوعیت کے اعتبار سے ان مصنفین کے خیالات زیادہ واضح ہین، ان علمار کے خیالات سے واقفیت حاصل کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہین کہ انسانی جغرافیہ کے جدید نظریون کی تکمیل کے لئے ان ہی عربون نے راستہ ہموار کر دیا تھا،

---

۵۲ المسعودی: مروج الذہب جلد اصفہ ۲۵۰ ۵۳ ایضاً صفحہ ۳۶۲،

۵۴ ایضاً صفحہ ۳۳۶، ۳۳۷،

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری مؤلف فتاویٰ عالمگیری

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی گجرات ورنا کلر سوسائٹی احمد آباد

عرصے سے مین تین چیزون کے متعلق معلومات فراہم کر رہا تھا، اوّل عالمگیر کے مخطوطاتِ قرآنؒ یعنی عالمگیر کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوے قرآن اس وقت کہان کہان ہین، دوم عالمگیر کے استاد کون کون تھے، اور تیسری بات یہ کہ تدوین فتاوی عالمگیری مین کون کون شریک تھے،

مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ برادرم مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی نے موخرالذکر عنوان پر قلم اٹھایا، انھون نے سولہ اشخاص کے نام پیش کئے ہین، اور ایک نام کا اضافہ پھلواری کے ایک صاحب قلم نے کیا ہے،

راقم الحروف نے جن اشخاص کے نام جمع کئے تھے، اُن مین سے اکثر تو معارف مین آگئے، لیکن کچھ نام باقی رہ گئے ہین جن کے متعلق ابھی تحقیق باقی ہے :-

۱- امیر میران علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن (حیات جلیل بلگرامی ص ۱۳) صمدن ضلع فرخ آباد مین مدفون ہین،

۲- شاہ عبدالرحیم صاحب جو مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی کے والد ماجد ہین، گو وہ اس مجلس

لہ معارف :- اس موضوع پر ابھی حال مین ڈاکٹر سید محمد عبداللہ صاحب (لاہور) کا ایک مقالہ کسی رسالہ مین شائع ہوا ہے،

مین زیادہ دن شریک نہ رہے،[1]

۳- ملا جمیل جون پوری[2] (تذکرہ علماے جون پور، ص ۸۰)

۴- ملا غلام محمد قاضی القضاۃ لاہوری جو ملا حبیب استاد شاہزادہ عظیم الشان بن بہادر شاہ ابن عالمگیر کے بھانجے تھے، شہر گھاٹی[3] کے باشندے ہین (آثار شرت قلمی ص ۹۰ بحوالہ ندیم گیا جولائی ۱۹۴۰ء)

۵- قاضی سید عنایت اللہ مونگیری (ہندوستان کے مدارس اسلامی، ص ۵۱)

ان مین سے موخرالذکر بزرگ جناب قاضی سید عنایت اللہ صاحب مونگیری کے کچھ حالات فراہم ہوئے ہین، وہ ذیل مین پیش ہین، جناب قاضی صاحب کا نسب نامہ حسب ذیل ہے،

قاضی صاحب کا نسب نامہ قاضی سید عنایت اللہ بن قاضی سید عبدالغنی بن سید عبدالسلام بن سید شاہ جمال الدین بن سید شاہ احمد جاجنیری بانی خاندان بارہ گاؤن و سورج گڑھا،

سید عنایت اللہ صاحب خاص سورج گڑھا محلہ چک مسکن ضلع مونگیر مین پیدا ہوئے، تقریبا ۱۰۵۰ھ مین ان کی ولادت ہوئی، ابتدائی کتابین اسی جگہ پڑھین، اُن کے والد ماجد قصبہ سورج گڑھا اور کجرہ کے قاضی تھے، اور گو برائے نام سہی، مگر اس وقت تک اس خاندان مین قضارت چلی آتی ہے، غرض اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجہ کی تعلیم حاصل کر کے وہ دہلی پہونچے، شام کا وقت تھا، ایک شخص کے مکان پر شب باشی کی اجازت مانگی، اوس نے ان کا حال حسن کر اجازت دیدی اور کھانا بھی کھلایا، رات جب زیادہ ہوئی تو مالک مکان چراغ گل کر کے اندر جانے لگا، سید صاحب نے کہا کہ مجھے کچھ قرآن پڑھنا ہے، مین سوتے وقت چراغ گل کر دون گا،

[1] معارف : حسن اتفاق سے اس سلسلہ مین مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب موصوف شاہ عبدالرحیم صاحبؒ اور چند دیگر باقی ماندہ مولفین کے اسماء فراہم کر چکے ہین، امید ہے کہ جلد ہی ان کا مقالہ شائع ہو سکیگا،

[2] معارف : جمیل جونپوری پر تو تفصیل سے اس مقالہ فتاوی عالمگیر اور اس کے مولفین" مین لکھا جا چکا ہے۔

[3] شہر گھاٹی گیا سے مغرب جنوب کی طرف ۲۰ میل کے فاصلہ پر ایک مردم خیز خطہ ہے،

وہ اندر چلا گیا، اور سید صاحب دیر تک قرآن پڑھتے رہے، یہان تک کہ کوتوال شہر گشت کرتا ہوا آنکلا، چونکہ سید صاحب بہت ہی خوش الحان تھے، اس لئے وہ دیر تک کھڑا سنتا رہا، پھر سامنے آکر اُس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی، صبح کو اس کو توال نے طلب کرکے مزید تحقیق کی، اور جب اُس کو اُن کے علمی ذوق کا یقین آگیا، تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسہ مین داخل کرادیا،

اس مدرسہ مین کب تک تعلیم پاتے رہے، یہ معلوم نہین، لیکن اختتام تعلیم کے بعد ان کی علمی استعداد کی بناپر اسی مدرسہ مین معلم کے عہدہ پر ان کو مامور کیا گیا، کچھ عرصہ کے بعد جب ان کے علم و فضل کا چرچا پھیلا تو ان کو فتاوی عالمگیری کے مولفین مین شامل کر لیا گیا، اور غالباً آخر تک (۱۰۸۶ھ) اس کام کو انجام دیتے رہے، کیونکہ اس کے بعد وہ پھر شاہی مدرسہ کے مدرس ہوگئے اور ۱۰۹۹ھ تک اس پر مامور رہے،

اس درمیان مین اُن کے والد سید عبدالنبی صاحب کا جو سورج گڑھا اور کجرا کے قاضی تھے، انتقال ہوگیا، اور کچھ عرصہ تک یہ جگہ خالی رہی، پھر شرفاے سورج گڑھا کی درخواست پر سید عنایت اللہ صاحب کو اُن کے پدر بزرگوار کی جگہ پر قاضی بنا کر بھیج دیا گیا، اور محکمۂ قضارت کی سند عطا کرتے وقت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآن مجید) قاضی صاحب کو عنایت فرمائی، جن کے اوراق ناساعدت زمانہ سے منتشر ہوگئے،

قاضی صاحب اپنی وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے، اور سورج گڑھا چک مسکن ہی مین وفات پائی، جہاں ان کا پختہ مزار آج تک موجود ہے، عہدۂ قضا پر سرفراز کرتے وقت جو فرمان قاضی صاحب کو عنایت ہوا وہ آج تک محفوظ ہے[1]، فرمان کی عبارت حسب ذیل ہے،

"درین وقت فرمان والاشان صادر شد کہ خدمت قضایا پرگنہ سورج گڑھ وکجری تابع

---

[1] کتاب الحیات بعد الممات دہلی،

سرکار مونگیر متعلق صوبہ بہار از انتقال عبدالنبی بہ سید عنایت اللہ پسرش و موازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از پرگنہ سنگھون تابع سرکار مذکور بشرط خدمت و عدم اخذ نہرانہ و نکاحانہ، در وجہ معاش او حسب الضمن مقرر باشد کہ بلوازم و مراسم آن کما ینبغی پرداز د او در نشر شرعیات، و قطع و فصل قضایا و معاملات و رفع دعاوی و خصومات، و عقود انکحہ بلا دلی، و قسمت ترکات و کتابت صکوک و سجلات و تحریض و ترغیب مردم بطاعات و عبادات و اجرای حدود، و تعزیرات و اقامۃ جمعہ و جماعات و تحقیق اموال غیب و ایتام و تعیین اوصیا و نصب قوم مقرر نمودن، نائب متدین طالب علم مساعی موفورہ بتقدیم رساند، باید کہ حکام و عمال و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال او را قاضی آن محلات دانند و زمین مذکور را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف او باز گذارند و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بدان راہ ندہند، و بعلت مال و جہات اخراجات مثل قلعہ و پیش کش و جریبانہ و ضابطانہ و محصلانہ و نہرانہ و دار و غگانہ و بیگار و شکار و مقدمے و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک تکسیر زراعت و کل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نشوند، و درین باب ہر سال سند مجدد نہ طلبند و اگر در محلے دیگر چیزے دانستہ باشند، آن را اعتبار نکنند، طریق جمہور سکنہ و متوطنین پرگنات مسطور آنکہ خطوط و قبالات و صکوک و سجلات را بخط و مہر او معتبر شمرند، غرہ شعبان سال سی و یکم جلوس سنہ ۳۱ شرح یادداشت واقعہ تاریخ روز چہارشنبہ بست و ششم شہر جمادی الآخر سنہ ۳۱ جلوس والا موافق ۱۰۹۹ھ مطابق ہشتم اردی بہشت ماہ سالہ صدارت و شیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منبع القدر "فاضل خان" و نوبت واقعہ نگاری کمترین بندہ درگاہ خلائق آرام گاہ "محمد ساقی" قلمی می گردد، سید عنایت اللہ ولد سید عبدالنبی از نظر اقدس اعلیٰ گذشت و بعرض مقدس

معلیٰ رسید، کہ پروانگی، بہ مہر و دستخط شیخت و فضیلت پناہ فضائل خان رسیدہ کہ بموجب التماس محمد شفیع وغیرہ سکنہ پرگنہ سورج گڑھ و پرگنہ کجرہ سرکار مونگیر صوبہ بہار بعرض والا رسید کہ از مدتے عبدالنبی قاضی پرگنات مسطور فوت شدہ، و بدون قاضی معاملات شرعیہ فیصل نمی یابد حکم والا شرف نفاذ یافت کہ بندہ بر تقدیر وقوع قاضی دیگر، بعرض مقدس رسانیدہ مقرر نمایند، حقیقت برین منوال است کہ در پرگنہ سورجگڑھ و پرگنہ کجرہ سرکار مونگیر مذکور قاضی از حضور پر نور تعین نہ شدہ و محضر بہ مہر مردم رسیدہ کہ سید عبدالنبی خاص موروثی پرگنات مسطور در و بعین حیات سپرد و سید عنایت اللہ پسرش متوفی بحضور پر نور رسیدہ طالب علم است ہرچہ فرمان شود،

حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد کہ خدمت قضا پرگنات مرقوم مع سواد قصبات و قریات متعلقہ آن از انتقال سید عبدالنبی متوفی مشارالیہ و موازی چہل بگیہ زمین افتادہ لائق مزارعت خارج جمع از پرگنہ سنگھول سرکار مونگیر مذکور، مادامیکہ قاضی باشد، بشرط عدم اخذ جرانہ و نکاحانہ در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم، و نیز حکم شد، درجائیکہ خود نہ رسد، نائب متدین طالب علم تعین می کردہ باشد و اگر در محال دیگر چیزے دانستہ باشد آن را اعتبار نہ کنند،

واقعہ مرجمادی الاخر ۳۱ سنہ،

اس کے بعد مدارالمہام جملۃ الملک اسد خان وزیر اور فاضل خان صدرالصدور کی دستخط اور تصدیق ہے، اس فرمان سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، کہ سند پاتے وقت وہ دہلی میں عالمگیر کے پیش نظر کسی محکمہ میں تھے، عام طور پر مشہور ہے، کہ مونگیر کے ایک عالم بھی فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں شریک تھے، (دیکھو ہندوستان کے مدارس اسلامی ص (۱) لیکن سورج گڈھ میں خاندانی روایات کی بنا پر بہ وثوق کہا جاتا ہے، کہ محکمۂ قضات میں آنے سے قبل وہ اس مجلس تدوین کے رکن تھے،

مراۃ العالم میں ہے کہ اس مجلس کے صدر ملا نظام الدین تھے اور ان کے ماتحت چار اور علما تھے،

(۱) قاضی محمد حسین جونپوری محتسب عسکر،

(۲) سید علی اکبر سعد اللہ خانی،

(۳) ملا شیخ محمد حامد جونپوری، تلمیذ میرزا ہد کابلی،

(۴) ملا محمد اکرام اللہ لاہوری معلم شاہزادہ محمد کام بخش،

ان میں سے ہر ایک کے سپرد ایک ایک ربع تھا، معلوم نہیں کہ قاضی صاحب ان میں سے کس کے ماتحت کام انجام دیتے تھے، (بحوالہ تاریخ برہان پور)

مکرمی سید وجاہت حسین صاحب ساکن سورج گڑھا، چک مسکن ضلع مونگیر فرماتے تھے، کہ ایک دوسری دستاویز بھی خاندان میں موجود ہے، جس میں اس کی طرف اشارہ ہے، کہ قاضی صاحب تدوین فتاویٰ میں شریک تھے، لیکن افسوس ہے کہ تلاش کرنے میں کامیابی نہیں ہوئی، اور اس کے بعد ہی موصوف کا انتقال ہوگیا، انشاء اللہ آیندہ جب سورج گڑھ جانے کا اتفاق ہوگا، تو ضرور اس کی تحقیق کروں گا،

ایک نادر فارسی مخطوطہ

از

جناب ملک ابویحییٰ امام خاں صاحب نوشہروی

سرزمین پنجاب مین لاہور کے بعد دوسرا مہد علم سیالکوٹ ہے، جہان عہد شاہجہان مین صاحب خیالی ملا عبدالحکیم، اور اُن کے خلف صالح عبداللہ (م ۱۱۵۹ھ/۱۷۴۶ء) پیدا ہوئے، اور عہد حاضر مین ڈاکٹر محمد اقبال ہین، جن کی شہرت چاردانگ عالم پر محیط ہے،

زمانۂ عالمگیری مین یہان کے ایک ممتاز صاحب علم روپ نرائن کھتری تھے، اُن کی بعض فارسی تالیفات کی حکایت ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ" میں سُنی جاچکی ہے،

روپ نرائن ممدوح کے مولفات مین لغت فارسی کی کتاب نصاب جامع ہے، جس کا مختصر تعارف زیب قرطاس ہے،

نصاب جامع ۵۰ صفحوں کا مجموعہ ہے، ہر صفحہ مین ۱۵ سطرین ہین، کاتب نے ذیل کی عبارت لکھی ہے،

"محمد قاسم ادہمی بتاریخ سلخ شب چارم رجب المرجب ۱۱۲۳ھ نبوی روز سہ شنبہ بدولت خانہ لالہ امل فہمی یافت"

مذکورہ بالا سطرین نصاب جامع کی بجائے شرح نصاب بدیع العجائب کے آخر مین ہین، جس کا تذکرہ آخر مین ہوگا،

نصاب جامع کا ورق اوّل غائب ہے، ورق ثانی "کز عمدۂ شکرش بدرآید" سے شروع

ہوتا ہے، اور چوتھی سطر میں ہے،

"الحمدللہ کہ امروز این ہمہ مرضیہ و طریقۂ انیقہ در ذات ملکی ملکات حضرت خدیو زمان خداوند گیہان موجود است،......"

اور صفحہ (۳) پر دوسری سطر میں مذکور ہے،

"مثنوی | قضا شوکت آں شاہ گردوں نہیب خدیو ملک قدر اورنگ زیب

اور اسی صفحہ کی (۶) سطر مین ہے :-

"امان بعد احقر تیج مدان کج مج زبان سراپا قصور روپ نرائن کھتری متوطن سیالکوٹ مضاف لصوبۂ دار السلطنت لاہور بر ضمیر منیر صاحبان دانش و شعور و ارباب فہم و حضور معروض می گرداند کہ این حقیر را اکثر اوقات مطالعہ کتب لغت بجہت تصحیح معانی الفاظ غریبہ متعلقہ در حین ملاحظہ نسخ منتدا ول حاصل می بود، چوں بر نصاب صبیاں ابو نصر فراحی[1] و نصا بہائے[2] کہ حضرت امیر خسرو و فضلائے دیگر نظم کردہ اند، عبور افتاد، بحرے دید بے پایان پُر از لآلی و عمانی مملو از درر غرر غرائب آثار، اما حیف کہ از ترتیب لغات و ضبط اعراب و حرکات خالی ہست و عجب کہ این معنی بخاطر عاطر ہیچ یکے از متقدمین بلاغت آئین نگذشتہ اگر کسے خواہد کہ لغتے از اں جا برآرد، یا اعراب آن دریابد میسر نیست، افسوس تمام آید کہ ایں ہمہ نسخ با این نفاست و لطافت از چنین فائدہ عاری و معری باشد"

---

[1] فراحی حائے حطی کی بجائے ہوز سے ہے [2] حضرت امیر خسرو کے جس نصاب کی طرف مولف نے اشارہ کیا ہے، منجملہ ان کے ایک "نصاب بدیع العجائب" ہے جو اس مجموعہ مین ہے دونوں کا کاتب ایک ہی منشی محمد قاسم ادہمی ہے، مگر خسرو کے نصاب بدیع العجائب کی یہ شرح ہے اور شارح امان اللہ سنبلی ہین، شرح نصاب بدیع العجائب کا ورق اوّل بھی نصاب جامع کی طرح غائب ہے،

لہذا لغات چیدہ را از کتب معتبرہ لغت بانتخاب در آوردہ و از حرف آخر ترتیب حروف تہجی نظمے جداگانہ باظہار حرکت حرف اول ترتیب دادہ و نصاب جامع بنام نہاد....."

نصاب جامع کا تاریخی نام ص (۵) مین ایک قطعہ مین درج ہے،

زہے جانفزا نسخۂ بے نظیر — کہ کلکم بتقید بیان در کشید
پئے سال اتمام او از خرد — مکرر شنیدم کتاب[1] مفید

تمہید مذکور کے بعد اصل کتاب کا آغاز ہوتا ہے، جو (ماسوائے تمہید) تمام منظوم ہے، اگرچہ بحر مختلف ہین، عنوان ابواب بھی منظوم ہین، کتابت کی صنعت مین تراجم الابواب شنگرفی ہین، نمونہ ترجمۃ الباب یہ ہے:-

اندرین منظوم شصت و یک لغت مفتوح دال — پانزدہ بیت است یادش کن تو ای رشک غزال

اور ترجمۃ الباب کے بعد ہے،

نام اللہ است کو زینت دہد ہر نامہ را — در فشانی و شکر خائی بہ بخشد خامہ را
اتقیا پرہیزگاران و آن بود جمع تقی — ہست اکفا ہمسران و آن جمع کفوای متقی

اور لام و میم کی توجیہ یہ کی گئی :-

"و علامت لام برائے اصل در زیر ہر لغتے و نشانِ میم زیر ہر ترجمہ کہ مشعر بر معنی و حروف و مشترک و مفسر و مرادف ست ثبت افتاد" (ص ۴)

اب شعر مشرح پر توجہ فرمائیے، اتقیا اصل لفظ ہے، اور پرہیزگاران اس کا ترجمہ ہے، روپ نرائن مؤلف ہر ایک ترجمۃ الباب مین ان لغتون کی تعداد بھی لکھتا ہے، جن کی شرح

[1] یہان لفظ کتاب مفید ۱۱۱۴ھ شنگرفی روشنائی سے مرقوم ہے، جس طرح کہ ابواب کتاب و علامت اسی روشنائی سے مزین ہین، اور ۱۱۱۴ھ لفظ مفید کے اوپر قدرے ترچھا رقم ہے،

فی الباب مرقوم ہے، جیسا کہ باب اول (متذکرۃ الصدر) کے عنوان شنگرفی مین اندرین منظوم شصت و یک لغت مفتوح دال ثبت ہے،

نصاب جامع کا آخری شعر یہ ہے،

یش و لیک بر و یمانی ست در لغت — یس ست خشک یوسف نام پیغمبرت

خاتمہ کے بعد شنگرفی حروف مین صفحہ کے ہر دو اطراف مین آڑی سطر مین ذیل کے پانچ اشعار ہین جن مین سے تین شعر حاشیہ کی سمت اور دو پوٹ کی طرف مرقوم ہین،

شکر کین نسخہ موزون و لطیف — یافت اتمام ز فضل ایزد
سال تاریخ از وے بکند کسب کمال — قارئش را رسد ز علم ازد
ضبط ابیات و نقاش کردم — تا بیفزاید از وے کاحد
بیت او ہفت صد و پنج ہفتاد — گشت منظوم بفیض سرمد
چار صد یافتی و ہفتاد لغت — دو ہزارے و دگر آمد بعدد

یہ دورویہ (شنگرفی) اشعار کہ خلاصہ کتاب پر محتوی ہین، روپ نرائن مولف کے ہین یا ناسخ محمد قاسم ادہمی کے؟ کوئی فیصلہ نہین کیا جاسکتا!

اور ان دورویہ اشعار سے ثابت ہوا کہ

نصاب جامع مین اشعار کی تعداد (۷۷۵) ہے، اور (۲۴۷۰) الفاظ کی لغت بیان ہوئی ہے،

ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ صاحب ڈی لٹ پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے اپنی کتاب "ادبیات فارسی مین ہندوؤں کا حصہ" میں روپ نرائن کی دو یا تین مولفات کا

[1] واضح ہو کہ راقم الحروف کا یہ نسخہ دہلی کے موجودہ خلفشار مین بلوائیون کی نذر ہوگیا، ورنہ تفصیلاً لکھا

تذکرہ فرمایا ہے[1]، مگر نصابِ جامع اُن مین مذکور نہین ہے،

لیکن ڈاکٹر صاحب اسے مؤلفات روپ نراین مین غالباً محسوب فرماتے ہین، البتہ اس مجموعہ کے دوسرے رسالہ نصاب بدیع العجائب کے امیر خسرو کی تصنیف ہونے سے شاید ڈاکٹر صاحب موصوف متفق نہین ہین، اس جزئی مین کہ گویا کلی کی مرادف ہے، یہ عرض کرنا ہے کہ اگر نصاب جامع روپ نراین کی تالیف ہے تو نصاب بدیع العجائب کو بھی امیر خسرو کی تصنیف تسلیم کرنا بعید از قیاس نہین، جیسا کہ ابتدائے مضمون (ہذا) مین نقل ہوا کہ

"چون بر نصاب صبیان ابو نصر فراحی و نصاب ہائے حضرت امیر خسرو و فضلائے دیگر نظم کردہ اند"

اور اس کی صرف یہی دلیل نہین، بلکہ قیام مطابع سے پہلے کے مولفین کی تصانیف کا کوئی حصر کیونکر آخری ہوسکتا ہے، بلکہ اس باب مین ابھی قرائن اور سبب از دیاد ایقان ہوسکتے ہین، روپ نراین نصاب جامع کا مقدمہ لکھتے ہین، اس مین حضرت امیر خسرو کے "نصاب ہائے" کی حکایت بیان فرماتے ہیں، آج تک اربابِ نظر کو امیر خسرو کی جن تالیفات کا علم حاصل ہوا، ان مین نصاب بدیع العجائب کا نام نہین آتا، تو اس کا بدیہی نتیجہ یہی ہوسکتا ہے، کہ یہ نسخہ سوہدرہ (ضلع گوجرانوالہ) کے منشی بے بدل لالہ اتھرمل چوپڑہ کے ورثائے کرام کے پاس محفوظ تھا، جو[2] خوش نصیبی سے

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۳) جاسکتا تھا، دلی کا یہ فساد ۳ ستمبر سے شروع ہوا جس مین دلی کے علمی خزانے بھی لُٹ گئے، جامعہ ملیہ کی لائبریری اور مکتبہ دونون نذرِ آتش ہوئے، اور مکتبہ برہان بھی لُٹ گیا، یا جل گیا!

ع اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لہ معارف کتاب ادبیات فارسی مین ہندؤن کا حصہ میں روپ نراین کا کوئی مستقل تذکرہ نہین کیا گیا ہے، ان کی صرف دو کتابون شش جہت (ص ۱۰) اور مخزن العرفان (ص ۱۲۴) کا ذکر ضمنی طور پر آیا ہے لہ راقم السطور

نہب آذری[1] سے بچ کر سوہدرہ ہی کے ایک طالب علم کو مل گیا! اور اس کا سراپا یون معرفانہ بزمِ شبلی مین سُنایا گیا،

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹۴) کو یہ نسخہ عزیز درگا داس پسر لالہ نونہال چوپڑہ خلف لالہ اتھرمل کی عنایت سے دستیاب ہوا، سوہدرہ کا یہ خاندان رائے اندرام مخلص کے قبیلہ سے ہے، جیسا کہ ان کے شجرہ مین ثبت ہے"

لہ نہب آذری کیا ہے، ؟ چند سال ہوئے لاہور سے ایک سیلاب اُٹھا صرف ایک ہی شخص کی صورت مین جو اپنے گرد وپیش پورا فتنۂ تاتار رکھتا تھا، تمام پنجاب وہزارہ وسرحد کے مخطوطات لپیٹ کر لاہور مین اپنا ذاتی مخطوطات کا میوزیم بنا لیا،!۔

استفسار و جواب

گیتا کا منظوم فارسی ترجمہ

جناب ہر پرشاد صاحب گردانی باغ پٹنہ | "گیتا کا فیضی کا منظوم ترجمہ عام طور پر متداول ہے، پیش نظر نسخہ چھوٹی تقطیع پر لاہور کے کسی پریس سے شائع ہوا ہے،

اس مین کتابت کی بعض غلطیان ہین، علامہ شبلی نے شعر العجم مین ..... فیضی کا تذکرہ کیا ہے، اس کے تالیفات و تراجم کو بالتفصیل لکھا ہے، اگر علامہ موصوف نے یہ کہین نہین لکھا ہے کہ فیضی نے گیتا کا بھی ترجمہ کیا ہے، از راہ کرم وقت نکال کر معارف مین اس پر روشنی ڈالین، کہ فیضی نے گیتا کا ترجمہ کیا تھا، یا متداول ترجمہ فیضی کے نام سے لوگون نے منسوب کر دیا ہے عین عنایت ہوگی'

معارف:- عنایت نامہ ملا، عنایت فرمائی کا شکریہ، افسوس ہے کہ گیتا کے منظوم فارسی ترجمہ کا ذکر میری نظر سے نہین گذرا، مراۃ عالم، بدایونی، اکبر نامہ اور مآثر الکرام وغیرہ مین فیضی کا جو تذکرہ آیا ہے، وہ گیتا کے منظوم ترجمہ کے ذکر سے خالی ہے،

لیکن نہ صرف مولانا شبلی مرحوم، بلکہ متقدم مورخین نے بھی فیضی کی تصانیف کو نام بنام نہین گنایا ہے، صاحب مراۃ عالم نے اجمالی حیثیت سے صرف یہ کہا ہے کہ

"گویند صد و یک کتاب و رسالہ تالیف نمود،"

(ص ۴۴۳ قلمی)

پھر چند کتابون کے نام لکھے ہین، جو وہی ہین جن کا ذکر دوسری تاریخون مین آیا ہے،

لیکن میرا خیال ہے کہ گیتا کا جو منظوم ترجمہ فیضی سے منسوب لاہور سے شائع ہوا ہے، اور جس کا آخری اڈیشن آتما رام پبلشر کے اہتمام سے چھاپا گیا ہے، فیضی کی طرف اس کا انتساب صحیح ہے،

گیتا کے متعلق یہ معلوم ہے کہ در اصل یہ مہابھارت ہی کا ایک حصہ ہے، جس کو مہابھارت سے اس حیثیت سے الگ کر لیا گیا ہے، کہ اس مین سری کرشن جی کے اقوال قلمبند ہو گئے ہین،

اگرچہ مولانا شبلی مرحوم نے مہابھارت کے فارسی ترجمہ مین اس کے منظوم ترجمہ کا ذکر نہین کیا ہے، مگر صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا فرمایا ہے، کہ

"۹۹۰ھ مین اکبر نے حکم دیا کہ بڑے بڑے گنوان پنڈت جمع ہون، اکبر خود عبارت کا مطلب نقیب خان کو سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی مین ترجمہ کرتا تھا، پھر عبد القادر بدایونی، ملا شیری وغیرہ کو الگ الگ ٹکڑے سپرد کئے، دو فن فیضی کے حصہ مین آئے"؛

(ج ۲ ص ۶۹)

لیکن ملا عبد القادر نے جہان اس کا تذکرہ کیا ہے، اس مین فیضی کے قلم سے اس کے منظوم ترجمہ کا ذکر بھی آیا ہے وہ کہتا ہے،

"بعد از ان شیخ فیضی مامور شد کہ نظم و نثر بنویسد و آن ہم منبیتر از دو فن صورت نیافت"

(بدایونی ج ۲ ص ۳۲۱)

فیضی نے یہ فارسی ترجمہ مہابھارت کے فارسی نثر کے ترجمہ کو سامنے رکھ کر کرنا شروع کیا تھا، لیکن وہ اس کو مکمل نہ کر سکا، الیٹ نے لکھا ہے،

پھر شیخ فیضی پاکیزہ نظم و نثر مین اس کو اجمالی ترجمہ کے ذریعہ منتقل کرنے پر مامور کئے گئے لیکن وہ دو حصّون سے زیادہ مکمل نہ کر سکے.

(ج ۵ ص ۵۳۷)

گیتا کے نثر مین فارسی ترجمہ کے نسخے ایک سے زیادہ انڈیا آفس، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اور بانکی پور مین (فہرست مخطوطات فارسی (انڈیا آفس ج اص ۵۹، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ورک نمبر ۱۴۲ص، ۵۴ و کتاب نمبر ۶۵، بانکی پور ج ۱۶ ص ۱۲۹) موجود ہین، ان مین سے ایک ترجمہ ابو الفضل کا بھی کیا ہوا ہے[1] اس مین آغاز کتاب کی یہ عبارت ہمارے لئے مفید مطلب ہے،

"گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہابھارتھ از فن ششم کہ آنرا بھکم پرب گوبند سری کرشن جیو وارجن سنباد"

یعنی یہ رسالہ اگرچہ گیتا کا ترجمہ ہے، لیکن اس کو فارسی مین مہابھارت کے فن ششم کو سامنے رکھکر منتقل کیا گیا ہے، اس لئے اس کو مہابھارت کے جزوی ترجمہ سے بھی موسوم کرسکتے ہین، اور چونکہ یہی حصہ گیتا کے نام سے بھی موسوم ہے، اس لئے اس کو گیتا کا فارسی ترجمہ بھی کہہ سکتے ہین، بہت ممکن ہے کہ فیضی نے اسی فارسی نثر سے اس کو نظم مین منتقل کیا ہو، انڈیا آفس ج اص ۵۹ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ورک نمبر ۱۴۲ص، ۵۴، کتاب نمبر ۶۵)

---

[1] بعض مستشرقین نے اس ترجمہ کے ابو الفضل کی طرف انتساب کو صحیح نہین سمجھا ہے، لیکن ہمارے نزدیک ان کی یہ رائے صحیح نہین ہے، مہابھارت کے مختلف حصون کا ترجمہ مختلف اہلِ علم نے کیا تھا، اگر ابو الفضل نے اس کے اس حصہ کو فارسی مین منتقل کیا ہو، جو گیتا پر مشتمل تھا، تو یہ کوئی تعجب کی بات نہین، خصوصًا جب کہ دیباچہ مین ابو الفضل کی یہ عبارت بھی موجود ہے:-

"این نسخہ گیتا کہ در انکشاف سرایر قدرت ذوالجلال و اکتشاف حقیقت معرفت لایزال است آنرا باجازت سلطان عادل و برہان کامل ...... جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی... بندہ شیخ ابو الفضل از زبان سنسکرت ترجمہ بعبارت لسان فرس و عربی در آورد"

(فہرست مخطوطاتِ فارسی انڈیا آفس ج اص ۵۹)

نیز اس منظوم فارسی ترجمہ کا نسخہ بھی جس پر اس وقت گفتگو جاری ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی مین موجود ہے، اگرچہ اس مین کوئی دیباچہ نہین ہے، لیکن اس نسخہ کے سرورق پر مترجم کی حیثیت سے فیضی کا نام درج ہے، اور ہمارے نزدیک اتنی شہادت بھی فیضی کی طرف اس کے انتساب کی صحت کے لئے کافی ہے، اس نسخہ کا پہلا شعر وہی ہے، جو مطبوعہ نسخہ میں پایا جاتا ہے، یعنی

طراز ندہٴ داستانِ کہن بدینسان بیفگند طرح سخن

(فہرست مخطوطات بنگال ایشیاٹک سوسائٹی ورک نمبر ۴۴ص ۱۶،۴۴، کتاب نمبر ۹۱)

اس نسخہ مین دیباچہ کے موجود نہ ہونے سے بھی اس قیاس کی تائید ہوتی ہے، کہ فیضی نے دراصل مہابھارت کے بعض اجزاء کا ترجمہ نظم میں کیا تھا، اور ان اجزا مین وہ حصہ بھی تھا جس پر بھاگوت گیتا مشتمل ہے، اور اسی وجہ سے بھاگوت گیتا کے منظوم ترجمہ کا ذکر فیضی کے سوانح مین نہین آیا ہے، اس قیاس کی تردید اسی صورت مین ہوسکتی ہے، کہ فیضی کے سوانح مین اس ترجمہ کے انتساب کا ذکر نظر آجائے، اور اس وقت یہ سمجھا جاسکتا ہے، کہ اُس نے گیتا کے علحدہ نسخہ کو سامنے رکھ کر ترجمہ کیا تھا، لیکن پھر اس پر کسی دیباچہ کا موجود نہ ہونا تعجب خیز ہوگا،

بہرحال خواہ کہین انفرادی طور پر ذکر مل جائے، یا نہ ملے، فیضی کی طرف اس نسخہ کا انتساب صحیح ہے، اور اسی وجہ سے ایشیاٹک سوسائٹی کے نسخہ مین عہد قدیم ہی مین کسی نے اس کے سرورق پر فیضی کا نام لکھ دیا تھا، اور غالبًا یہ منظوم ترجمہ جس قلمی نسخہ سے پہلی مرتبہ چھاپ کر شائع کیا گیا ہو، اس پر بھی فیضی کا نام درج ہوگا، فقط
"د" "ہ"

لفظ "جا" "وید" کا تلفظ

جناب نصرت بدایونی
سوتھ بدایون

جاوید میں یائے مجہول ہے، یا یائے معروف؟ اگر یائے معروف کے جواز کے سلسلہ مین کوئی شعر عید، تائید کے قوافی پر ہو

تو تحریر فرما دیجئے، براہ کرم جواب سے جلد مشرف فرمائیے،،

معارف:- گرامی نامہ ملا، علالت کی وجہ سے جواب مین تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہون،

جاوید کا صحیح تلفظ بیاے معروف یعنی بروزن ناہید ہے، اسی طرح جاویدان بروزن غازیخان

"جاویدانہ" بروزن "تازی خانہ" ہے، "جاوید" کا مخفف "جاوِد" بروزن "عابد" آتا ہے،

جامی کا مشہور شعر ہے، ؎

الٰہی غنچۂ اُمید بکشاے
گلے از روضۂ جاوید بنماے

والسلام "ن"

حیاتِ شبلی

یہ کتاب تنہا علامہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری نہین ہے، بلکہ ان مین ان کی وفات ۱۹۱۴ء تک اس کے پہلے کی ایک تہائی صدی کی ہندوستان کے مسلمانون کی مذہبی سیاسی علمی تعلیمی، ادبی اصلاحی اور دوسری تحریکون اور سرگرمیون کی مفصل تاریخ آگئی ہے، کتاب کے شروع مین جدید علم کلام کی نوعیت اُس کی حیثیت اور اس سے متعلق علامہ شبلی مرحوم کی علمی خدمات پر تبصرہ ہے، پھر خلجی و تغلق کے زمانہ سے لیکر انگریزی حکومت کے آغاز تک صوبہ آگرہ و اودھ کے مسلمانون کی علمی و تعلیمی تاریخ کو بڑی تلاش و جستجو سے مرتب کیا گیا ہے، اور اکابر علماء کے حالات بڑی محنت سے جمع کئے گئے ہین ضمناً ان تعلیمی ادارون کی جن سے مولانا کا تعلق رہا ہے مجمل تاریخ بھی آگئی ہو، اس کی ضخامت مع مقدمہ اور دیباچہ وغیرہ کے ۹۲۰ صفحے ہو، جس مین دارالمصنفین، ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح، سراے میر اور شبلی کالج کی عمارتون کے تیرہ ہاف ٹون بلاک نو بھی شامل ہین کاغذ اور طباعت اعلیٰ قیمت غیر مجلد علاوہ محصول ڈاک صرف آٹھ روپئے مجلد لعہ "منیجر"

وفیات

آہ! مولانا عمادی

حیدر آباد دکن کے اخبار البلاغ سے یہ معلوم کرکے سخت صدمہ ہوا کہ ہمارے قدیم دوست مولانا عبد اللہ العمادی نے حیدر آباد مین جہان انھون نے سکونت اختیار کرلی تھی، ۱۱ر شوال ۱۳۶۶ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا، اُن کی عمر اس وقت ستر برس کے قریب ہوگی، مرحوم اردو فارسی اور عربی کے مستند ادیب اور مورخ تھے، اور تقریباً ہر علم و فن سے آشنا تھے،

مرحوم کا وطن ضلع جونپور مین امرتھوا نام ایک موضع تھا، اور عماد الدین نام کسی بزرگ کے خاندان سے نسبی نسبت رکھتے تھے، اور اسی تعلق سے اپنے کو عمادی لکھتے تھے، اصلی نام عبد اللہ تھا، اور کبھی کبھی اخفاے نام کے لئے عبد اللہ کا فارسی ترجمہ "خدابندہ" بھی لکھا ہے، جو سب سے پہلے نومسلم تاتاری سلطان کا نام تھا، مگر شہرت عام عبد اللہ عمادی کے نام سے تھی،

غالباً ابتدائی تعلیم کے بعد ہی یہ لکھنؤ آگئے تھے، اور مولانا عبد العلی آسی مدراسی کے دامن تربیت مین پرورش پائی، مولانا عبد العلی کا اصل وطن گو مدراس تھا، مگر جب سے تعلیم کے لئے لکھنؤ آئے، یہیں کے ہوکے رہ گئے، یہین فرنگی محل مین مولانا عبد الحی صاحب فرنگی محل سے تعلیم پائی، ادب، شعر اور تاریخ گوئی مین ملکہ رکھتے تھے، اکثر کتابون کے آخر مین جو اُن کے مطبع مین چھپین اُن کی تاریخین آپ کو مل سکتی ہین، اُن کی صحبت مین مولانا عمادی صاحب کو بھی زیادہ تر شعر و سخن اور ادب و تاریخ کا فائدہ پہنچا، مولانا عبد العلی ایک زمانہ مین رامپور مین مدرس تھے، وہان بھی وہ اُن کے ساتھ رہے، پھر جب وہ لکھنؤ آئے،

تو وہ بھی اُن کے ساتھ یہان آئے، اور یہین اُن کے مُرغِ شہرت نے پر و بال پیدا کئے،

مولانا آسی نے لکھنؤ مین محمود نگر کے محلہ مین سکونت اختیار کی، اور اصح المطابع کے نام سے ایک مطبع قائم کیا، بعد کو اس کا نام اُن کے صاحبزادہ قاری عبدالولی مرحوم نے آسی پریس رکھ دیا تھا، اس مطبع مین عربی کی بہت سی کتابین چھپ کر شائع ہوئین، مولانا آسی کو کتابون کی تصحیح مین بڑی مہارت اور دقتِ نظر حاصل تھی، عربی متوسطات کے طالب علمون کو بھی وہ باجرت تصحیح کے کام پر رکھ لیتے تھے، اور مولانا کی صحبت مین وہ کچھ نہ کچھ بن جاتے تھے، مولانا عمادی بھی انہی خوش قسمت طالب علمون مین تھے، اور اپنی خداداد استعداد سے اس صحبت سے بہرۂ وافر حاصل کیا،

مرحوم کسی درسگاہ کے باقاعدہ طالب علم نہ تھے، اور نہ علوم مروجہ کی درس و تدریس کی حیثیت سے تکمیل کی تھی، مگر موہبتِ الٰہی رسمی طریقۂ تعلیم پر موقوف نہین، اس کا فیض عام اور بقدر استعداد تام ہے، کتب بینی کے شائق تھے، اور خصوصیت کے ساتھ اردو، فارسی اور عربی کی نظم و نثر کا مطالعہ بہت وسیع تھا، اور ان تینون زبانون مین اُن کو شاعری اور انشاپردازی کی قوت حاصل تھی، اور ان زبانون کے ہزارون شعر اُن کے خزانۂ دماغ مین محفوظ تھے، اور عربی و فارسی لغات پر بھی عبور رکھتے تھے،

مرحوم مجھ سے فرماتے تھے کہ وہ عربی کی الف لیلہ سمجھتے نہین تھے، مگر پھر بھی وہ اس کو دیکھا کرتے، اور جو کچھ سمجھ جاتے، اور اس پر خوش ہوتے، اور جو نہ سمجھتے، اوس کو لغت سے حل کرتے، یا شاید مولانا آسی سے دریافت کر لیتے، اور اس طرح ان کو عربی انشاپردازی کا ذوق پیدا ہوا، اور عربی مین مضمون نویسی کی قدرت حاصل کی، جو اوس زمانہ مین غیر معمولی بات تھی،

اسی سلسلہ مین بیسوین صدی عیسوی کے آغاز مین مولانا آسی کی رہبری اور ان کی اڈیٹری مین البیان نام ایک اردو عربی ماہانہ رسالہ مطبع اصح المطابع لکھنؤ سے نکلنے لگا، اس کے ہر صفحہ مین دو کالم

ہوتے تھے، ایک مین عربی اور دوسرے مین اس کا اردو ترجمہ ہوتا تھا، اور آخر مین چند صفحے عربی ممالک کی خبرون اور اردو مضمونون کے ہوتے تھے، اس رسالہ کا مبادلہ مصر و شام و ٹیونس کے عربی اخبارون سے ہوتا تھا، یہ اخبارات اُن کے ہان آتے تھے، اور وہ اس کو پڑھا کرتے تھے، اور اس کے بدولت جدید عربی کے نئے الفاظ سے اُن کو پوری واقفیت ہوتی رہتی تھی، اور وہ اُن کو اردو مین رواج دینے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ ان کے بعض الفاظ رواج بھی پا گئے،

اس زمانہ مین ہمارے استاذ مولانا فاروق صاحب چریا کوٹی، مدرس اول دار العلوم ندوہ لکھنؤ مین مقیم تھے، مرحوم ان کی خدمت مین آیا جایا کرتے تھے، یہ تو معلوم نہیں کہ اُن سے پڑھا تھا یا نہین مگر وہ ان کے صحبت یافتہ ضرور تھے، مولانا چریا کوٹی ۱۹۰۵ء تک لکھنؤ رہے تھے، اس کے بعد ہی اگلے سال جب اُن کے شاگرد رشید مولانا شبلی مرحوم دار العلوم مین معتمد ہو کر آئے تو مولانا عمادی اُن کی صحبتون مین آنے جانے لگے، اور یہی زمانہ مرحوم سے میرے آغاز ملاقات کا تھا، جو بحمد اللہ اوس وقت سے شروع ہو کر اخیر وقت تک قائم رہا،

ندوہ کا علمی پرچہ الندوہ جو پہلے دفتر ندوہ کے شاہجہان پور ہونے کے سبب سے شاہجہان پور سے نکلتا اور آگرہ مین چھپتا تھا، مولانا شبلی کے قیام لکھنؤ کے بعد لکھنؤ سے نکلنے لگا، اور اصح المطابع مین چھپنے لگا، اور مولانا عمادی کی آمد و رفت اس تعلق سے زیادہ ہونے لگی، ۱۹۰۶ء مین مولانا شبلی نے اس کی سب اڈیٹری کا کام مولانا ابو الکلام کے سپرد کیا، چند ماہ کے بعد جب وہ وکیل امرتسر مین چلے گئے تو مولانا نے مرحوم کو اُن کی جگہ الندوہ کا سب اڈیٹر بنایا، اس زمانہ مین انھون نے جابر بن حیان مشہور عرب کیمیادان اور ابن خلدون وغیرہ پر چند علمی مضمون لکھے، مگر مرحوم کو کتابون کے حوالے دینے کی عادت نہ تھی، اس سے مولانا شبلی کو اُن کے حوالون پر اعتماد نہین ہوتا تھا، چنانچہ چند ہی ماہ کے بعد یہ خدمت خاکسار سے متعلق کی گئی، اس کے بعد اس بنا پر کہ ماہ بماہ پرچہ کا اہتمام مجھ سے نہ ہو سکا، پھر یہ خدمت

عمادی صاحب کے سپرد کی گئی، اوس کے بعد پھر یہ خدمت ہمارے دوست مولانا عبد السلام صاحب ندوی کو اور کبھی مجھ کو ملتی رہی، اور مجھی پر اس کا خاتمہ ہوا،

غالباً ۱۹۰۸ء کے وسط یا ۱۹۰۹ء کے شروع مین مولانا ابو الکلام نے اپنے والد ماجد کے مرض الموت کے سبب اپنے والد کے اصرار سے وکیل امرتسر کی ادارت چھوڑ کر کلکتہ گئے، تو وکیل کے مالک غلام محمد صاحب مرحوم نے مولانا عمادی کو ان کی جگہ بلایا، اور وہ کئی سال اس تعلق سے امرتسر مین رہے، اور وہان انھون نے سر سید کے تہذیب الاخلاق کو پھر زندہ کیا، اور کئی نمبر اوس کے نکالے اور اس کی طرف سے بعض اپنے رسائل، اور دوسرون کی کتابون کی باجازت اشاعت کی، اور سر سید کے بعض رسالون کو دوبارہ چھاپا، مرحوم نے وہان جو رسالے لکھے ان میں سے عرب قدیم اور صنائع العرب کے نام اس وقت یاد ہین، اُن کے امرتسر چلے جانے کے بعد البیان کی ادارت میرے حصہ مین آئی، اور تقریباً سال بھر اوس کو مین چلاتا رہا،

۱۹۱۲ء مین مولانا ابو الکلام کی ادارت مین جب کلکتہ کے افق سے ہلال (الہلال) نمودار ہوا تو چند ماہ کے بعد مین الہلال کی ادارت مین شامل ہوا، اور میرے کچھ ہی دنون کے بعد مولانا عمادی بھی وہین آگئے، اور چند مہینون تک مین اور وہ دونون ایک ہی ساتھ ایک جگہ الہلال کے دفتر مین رہے، اور کام کیا کئے، اس زمانہ مین الہلال مین انھون نے جو مضمون لکھے، ان مین سے اسوۂ نوح، اسوۂ ابراہیمی اور کشف ساق تین عنوان یاد ہین،

چند ہی مہینون کے بعد ہم دونون الگ ہوگئے، وہ زمیندار لاہور مین چلے گئے، اور مین حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی کے حسب الحکم دکن کالج پونا چلا گیا، نومبر ۱۹۱۴ء مطابق ذیحجہ ۱۳۳۲ھ مین جب مولانا شبلی کی اور دسمبر ۱۹۱۴ء مطابق محرم ۱۳۳۳ھ مین مولانا حالی کی وفات ہوئی ہے، تو مولانا عمادی زمیندار مین تھے، اور اسی اخبار مین ان دونون مرحومین پر پُر اثر مضمون لکھے، اور

مولانا شبلی مرحوم کی وفات کے سلسلہ سے انہی کے تعلق کے سلسلہ سے میرے چند مسلسل مضمون نکلے، پھر زمانہ کا انقلاب دیکھئے، کہ حیدر آباد دکن مین جامعہ عثمانیہ کی نصابی کتابون کے لئے دار الترجمہ قائم ہوا، اور زمیندار کے اڈیٹر ظفر علی خان اعلیٰ حضرت حضور نظام میر عثمان علی خان کے ایام شاہزادگی کے سابقہ معرفت کے سبب سے جب دکن آئے، تو مولانا عمادی کے حیدر آباد آنے کے وہ ذریعہ بن گئے، ظفر علی خان تو سیاسی شورشون کے طوفان مین بہ گئے، مگر مولانا عمادی اپنے فضل و کمال اور مرنجان مرنج طبیعت کے سبب سے اپنی جگہ جمے رہے، اور ایسے جمے کہ مر کر ہٹے،

دار الترجمہ مین وہ اپنے لغات دانی اور جدید عربی مصطلحات علمی کی واقفیت کے سبب سے بہت کارآمد ثابت ہوئے، دار الترجمہ کی دو جماعتون مین سے اوس جماعت مین تھے، جو اردو مین عربی مصطلحات کے رواج کے لئے کوشان تھی، مین نے سُنا ہے کہ اُن کی کثرت لغات کے سبب سے اعلیٰ حضرت حضور نظام نے اُن کو کبھی قاموس کہدیا تھا، اور خیال تھا کہ اُن کو قاموس جنگ کا خطاب نہ مل جائے.

وہ دار الترجمہ مین وضع اصطلاحات کے علاوہ مترجم بھی رہے، اُن کے قلم سے متعدد عربی تاریخون کے ترجمے اردو مین دار الترجمہ سے شائع ہوئے ہین، اس سلسلہ مین تاریخ طبری، طبقات ابن سعد اور تاریخ یعقوبی کے ترجمے انھون نے غالباً کئے ہین، مترجم کے علاوہ وہ دار الترجمہ کے ناظر مذہبی بھی رہے یعنی دار الترجمہ کی مترجمہ اور مؤلفہ کتابون پر اس حیثیت سے نظر ڈالتے تھے، کہ ان مین مذہبی معتقدات اور مذہب کے خلاف کوئی بات تو نہین، اور غالباً اسی خدمت کے بعد اُن کو پنشن ملی، مگر اس پنشن کے بعد بھی اونھون نے حیدر آباد کو نہین چھوڑا، بلکہ وہین توطن اختیار کر لیا، اور ان کے فرزند اور بعض عزیز حیدر آباد کی ملازمتون پر سرفراز کئے گئے، اور اب بھی ہین،

مرحوم حیدر آباد کی علمی مجلسون اور محفلون کے جزء ہوگئے تھے، دائرۃ المعارف اور کتب خانۂ آصفیہ جو مملکتِ دکن کے دو اہم اور عظیم الشان علمی مرکز ہین، وہ ان دونون کے مشیر اور رکن رکین تھے

مرحوم نہایت خلیق اور ملنسار تھے، اور اپنے ہر ملنے والے کی اتنی تعظیم و تکریم کرتے تھے، کہ بسا اوقات اوس بیچارہ کو یہ غلط فہمی ہوجاتی تھی، کہ وہی مخاطب سے ہر حیثیت مین بڑا ہی لیکن اس باب مین وہ اپنی سادہ فطرت کے ساتھ تکلف کو بھی کام مین لاتے تھے، اس لئے حقیقت مشتبہ ہوجاتی تھی، ان کو شواذ اور نوادر مسائل سے بھی دلچسپی تھی، اور اس لئے وہ کبھی کبھی بطور بحث کسی شاذ رائے کو ثابت کرنے کے لئے بڑا زور لگاتے تھے لطائف وظرائف کا ذخیرہ بھی اُن کے پاس کم نہ تھا، کسی بات کو وہ غلط بھی جانتے ہون مگر "کیا خوب!" وہ اس طرح کہتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھتا تھا کہ وہ اس کی تحسین کر رہے ہین،

عزیز پروری اُن کی خصوصیت تھی، ایک دفعہ وہ کلکتہ سے اپنے وطن جا رہے تھے، اور بہت سے روپیون کی ضرورت ظاہر کر رہے تھے مین نے پوچھا اتنے روپیے کیا ہون گے، فرمایا جب گھر جاتا ہون تو غریب اعزہ آتے ہین، اُن کی مدد کرنے کو جی چاہتا ہو، ہر ایک کو اس کے حسب حیثیت کچھ دیتا ہون، حیدرآباد جب میرا جانا ہوتا، مرحوم باصرار مدعو کرتے، اور ماحضر پیش فرماتے، اور طعام و کلام دونون سے بہرہ اندوز کرتے،

مرحوم مشرقی تعلیم کے ان نمونون مین سے تھے جن کے مٹنے کے بعد اُن کی جگہ ہمیشہ خالی رہ گئی، جب وہ کلکتہ سے وطن کو جا رہے تھے، تو مین نے کلکتہ مین اپنی تنہائی محسوس کرکے ان کو ایک خط مین اپنا ہی ایک عربی شعر لکھ کر بھیجا تھا،

لَوْ انی علمت مَا تجشمتُ بعدہٗ
منحت القطار ان تمیل برکبھا

جس کا ترجمہ یہ ہو اگر مجھے پہلے معلوم ہوتا کہ اُن کے بعد مجھے کیا تکلیف ہوگی، تو مین ریل کو روک دیتا، کہ وہ اپنے سوارون کو لے کر اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، لیکن اب اس رفیق قدیم کو وہ سفر پیش آیا جس کو شاعرانہ طور پر بھی روکا نہیں جاسکتا، اور جس سفر پر سب کو ایک دن روانہ ہونا ہے، اور جہان کی رفاقت کا حق رفیق اعلیٰ کے سوا کوئی رفیق و عزیز بھی ادا نہین کرسکتا، اور جس سفر کا زاد سفر عمل کے سوا کچھ نہین، فرحمہ اللہ تعالیٰ،

"س"

۲۶ رشوال ۱۳۶۶ھ - بھوپال،

ادبیات

تابش سہیل

"صیّاد و اسیر"

از جناب اقبال احمد خان صاحب سہیل اعظم گڈھ

خاکِ دل رفعت مین اوجِ آسماں سے کم نہیں
صحنِ جاں وسعت مین بزمِ لامکاں سے کم نہیں

ہر سحر اک درسِ نو۔ ہر شام ہے ایک انقلاب
دہر خود اک نا مکمل داستاں سے کم نہیں

غم تو یہ ہے سننے والے سنتے سنتے سو گئے
یہ زمانہ ورنہ ایک افسانہ خواں سے کم نہیں

———

ایک دن صیاد نے مُرغِ قفس سے یہ کہا
پر فشانی تیری سعیِ رائگاں سے کم نہیں

تیرے پر کترے ہوئے اور آہنی ہو یہ قفس
توڑنا اس کا عبورِ ہفتخواں سے کم نہیں

یہ تڑپ یہ اضطراب اور ایسے مقصد کے لئے؟
جو بجائے خود عذابِ جسم و جاں سے کم نہیں

یوں تو تجھے ہی تیرے دشمن برق و باران و تگرگ
باز و شاہیں بھی بلائے آسماں سے کم نہیں

اور پھر اس پر قیامت آب و دانہ کی تلاش
یہ مصیبت بھی تو خوفِ دشمناں سے کم نہیں

ایک لمحے کے لئے جس میں سکوں حاصل نہ ہو
زندگانی ایسی مرگِ ناگہاں سے کم نہیں

شکر کر میرا کہ تجھ کو دشمنوں سے دی نجات
اور کوئی راحت قفس میں آشیاں سے کم نہیں

آب و دانہ بھی میسّر امن و اطمینان بھی
کوئی آسایش یہاں تجھکو وہاں سے کم نہیں

تیری خاطر مین نے پھولوں سے سجایا ہے اسے
یہ قفس بھی دلکشی میں گلستاں سے کم نہیں

اتنے احسانات پر بھی تو ہے ظالم ناسپاس
ہر نوا سنجی تری شور و فغاں سے کم نہیں"

سُن کے یہ تقریر بولا طائرِ زنداں نصیب
آپ کا ارشاد بھی سحرِ بیاں سے کم نہیں

جسم تو پابند تھا ہی، دل پہ بھی اب گھات ہے
گفتگو کا سلسلہ دامِ نہاں سے کم نہیں

ہے بظاہر طرزِ استدلال کتنا پُر فریب
اس کا پھندا حلقۂ زلفِ بتاں سے کم نہیں

اس پر اندازِ بیاں کی دلربائی الاماں
حسنِ مغرب کی ادائے دلستاں سے کم نہیں

ہین نہاں ہر لفظ مین وہ طعنہ ہاے دلخراش
جو خلش میں زخمِ شمشیر و سناں سے کم نہیں

کیا خبر تجھکو نہیں اے ناصحِ نامہرباں؟
بزمِ ہستی رزمگاہِ امتحاں سے کم نہیں

جانِ روشن کے لئے لازم ہے سوزِ اضطراب
زندگی خود شعلۂ برقِ تپاں سے کم نہیں

موت سے پہلے حقیقی امن و آسایش کہاں
اور کہیں ہو بھی تو اک خوابِ گراں سے کم نہیں

جو نشیمن خود بنایا جاے تنکے جوڑ کر
مسندِ جمشید و تختِ خسرواں سے کم نہیں

دانۂ خردل جو اپنی سعیِ بازو سے ملے
قدر و قیمت میں وہ گنجِ شائگاں سے کم نہیں

اپنی محنت کا گزی گاڑھا اگر ہاتھ آسکے
تو وہ احساں کے حریر و پرنیاں سے کم نہیں

ایک لمحہ بھی جو آزادی سے ہو جائے بسر
بندگی کی زندگیٔ بے کراں سے کم نہیں

آتشِ دوزخ سے رسوا تر غلامی کی حیات
مرگِ آزادی بہشتِ جاوداں سے کم نہیں

دو جہاں کی نعمتیں اس ایک لذت پر نثار
ذوقِ آزادی غمِ سود و زیاں سے کم نہیں

نیر بارانِ حوادث کی ہمیں پروا ہو کیوں
صبر کی خو جوشن و برگستواں سے کم نہیں

میری آہین بے اثر ہین تو ہراساں کیوں ہے تو
خود تری تقریر شورِ الاماں سے کم نہیں

یہ قفس تو کیا ہے کہساروں کو کردے پاش پاش
جوشِ آزادی کی رو سیلِ رواں سے کم نہیں

کردیا جاپان کو جن چند ذروں نے تباہ
خونِ دل اُن ذرہ ہاے ناتواں سے کم نہیں

بحثِ صیاد و اسیر افسانہ ہو یا واقعہ
قصۂ آزادیِ ہندوستاں سے کم نہین

تھی قفس کی زندگی مُہر دہن ورنہ یہاں
خوش نوا کوئی سہیل نکتہ داں سے کم نہین

اندیشۂ بیباک

از

جناب انور کرمانی

یہ چاند یہ تارے یہ زمین اور یہ افلاک
رستے ہیں خودی کے ہیں مثالِ خس و خاشاک

خوں گرم ہو، دل زندہ ہو، بیدار نظر ہو
کھل جاتے ہیں الجھی ہوئی تقدیر کے پیچاک

اندیشۂ تدبیر نہ کر دشتِ جنون مین!
دامانِ محبت ہے یہاں حلقۂ فتراک

ہر دل نہیں اُس آہِ جگر دوز کا محرم
جو چوم کے اٹھی ہے شہیدوں کی کفِ خاک

گرماتا ہے افسردہ جوانون کے لہو کو!
درویشِ خدامست کا اندیشۂ بیباک

باب التقریظ والانتقاد

باغی ہندوستان

(تصنیف جناب مولوی محمد عبدالشاہد خاں صاحب شروانی)

از

سید ریاست علی ندوی

دلی کی مغلیہ سلطنت کا چراغ سحری جب ٹمٹما رہا تھا، اسی زمانہ مین یہاں علم وعرفان کے تاجدار خاندان ولی اللّٰہی کے سایہ مین اصلاح وانقلاب کی تحریک نشو ونما پارہی تھی، اس کا آغاز رد بدعات واصلاح معاشرت سے ہوا، اور شباب پر پہنچ کر انقلاب سلطنت کی جدوجہد کی صورت مین وہ منتقل ہوئی، مولانا شاہ اسمٰعیل علیہ الرحمہ اس تحریک کے علمبردار تھے، ان کے اٹھائے ہوے مسائل دینی وعلمی ننگ مین دلی والوں کی زبان پر تھے، تقلید وعدم تقلید، پھر اس سے پیدا ہونے والے مسائل رفع یدین، آمین بالجہر وامتناع امکان نظیر خاتم النبیین وغیرہ نے زیادہ زور پکڑا، علماے وقت نے اس مین موافق ومخالف حصہ لیا مناظرہ کا میدان بار بار گرم ہو، قادر الکلام شعرا نے اپنی نظمون سے موافق ومخالف مسلکون کی تائید یا تردید سے فضا کو ساز گار یا مخالف بنایا، جن علماے کرام نے مخالفت مین بیش از بیش حصہ لیا، ان کے سرخیل مولانا فضل حق خیرآبادی تھے، وہ اپنے مسلک

لہ حجم ۲۰۰، صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۱۶ کاغذ اچھا کھائی چھپائی بہتر قیمت مجلد صہ پتہ :- مدینہ بک ایجنسی بجنور (یوپی)

مین حنفی ماتریدی تھے، اور مقلدین کی ترجمانی کا حق ادا کر رہے تھے،

مولانا فضل حق خیرآبادی دودمان خیرآباد کے چشم وچراغ تھے، انھون نے علم کے گہوارہ مین پرورش پائی، پھلے پھولے اور پروان چڑھے، اسی خانوادہ کے وجود سے ہندوستان مین حکیم فتح اللہ شیرازی کے علوم عقلیات کا ستارہ روشن تھا، مولانا کے پدر بزرگوار مولانا فضل امام اپنے وقت مین علوم عقلیات کے امام، اور مولانا فضل حق ان کے حقیقی جانشین اور اپنے وقت کے استاذ فن مانے گئے، دوسری طرف انھین خانوادہ ولی اللّٰہی سے بھی شرف تلمذ حاصل تھا، اور اس خانوادہ سے اُن کے اخلاص عقیدت ومحبت کے دیرینہ مراسم قائم تھے، ان کا اپنے علم وفن مین یکتا ہونا، ادب، شعر، اور انشا پردازی مین کمال مہارت رکھنا، اور فہم کارسا، نظر کا دقیق اور ذہن کا نکتہ سنج ہونا، ان کے مسلمات مین سے تھا، وہ اپنے بے پایاں علم سے حریف کو زیر کر لینے، اور قدرت بیان سے مخالفین کو قائل کر لینے مین شہرت رکھتے تھے، اُن کے علم وفضل کا شہرہ آج تک قائم اور اُن کی تصنیفات ہدیہ سعیدیہ وغیرہ عربی تعلیم کے نصاب مین داخل اور متداول ہیں،

اس لئے مولانا اسمٰعیل علیہ الرحمہ کے مقابلہ مین حریف بن کر جو ہستی سامنے آئی، وہ صحیح معنون مین اُن کی مد مقابل تھی، بلکہ اول الذکر سے موخر الذکر کو علوم سے مزاولت کا موقع زیادہ حاصل رہا تھا، باین ہمہ مولانا شہید علیہ الرحمہ کی تحریک آگے بڑھتی گئی اور آگے چل کر جہاد کی تحریک مین تبدیل ہوئی، وہ سکھون کی حکومت کا خاتمہ کر کے انگریزی سلطنت سے نبرد آزما ہونا چاہتے تھے، کہ امر کوٹ کا حادثہ پیش آگیا، اور ان کی مجاہدانہ زندگی کے کارنامے زبان زد خلائق رہ گئے، امر کوٹ کے واقعۂ شہادت کے بعد اگرچہ یہ تحریک وقتی طور پر ختم ہوئی، لیکن متبعین کی خفیہ جدوجہد کا سلسلہ جاری رہا، بالآخر آگے چل کر ہندوستان کی وہابی تحریک اٹھی، اور اسی پس منظر سے انقلاب ۱۸۵۷ء کی جدوجہد نے بھی نشو ونما پائی،

اکابر کی باہمی مخالفتین شخصی اختلافات سے بلند ہوتی ہین، یہ کیسا عجیب واقعہ ہے کہ وہی مولانا فضل حق جو مولانا اسمٰعیل شہید کی زندگی مین ان کے حریف تھے، اور اُن کی زبان و قلم سے نکلے ہوئے ہر حرف کی تردید کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے، عام صلحاء و متقین کے مسلک کے خلاف انگریزی حکومت کی ملازمت کے نہ صرف جواز کے قائل، بلکہ خود حکومت کے ایک شعبہ کے سررشتہ دار تھے، اور انگریزون کے زیر اثر حکومت اودھ کے صدر الصدور رہ چکے تھے، اسی جہاد کے فتوی پر اپنے دستخط ثبت فرماتے ہین، جس کا علم مولانا اسمٰعیل شہید نے پہلی مرتبہ ہندوستان مین بلند کیا تھا، فتوی جہاد پر یہی دستخط اُن کی آیندہ پرمحن اور پرمصائب زندگی کا پیش خیمہ بنا، وہ انقلاب ۱۸۵۷ء کی جد و جہد کی ناکامی کے بعد گرفتار کئے گئے، اور حبس دوام کی سزا پاکر جزیرۂ انڈمان بھیج دیئے گئے، اور وہین حسرت انگیز مصائب مین زندگی کے دن پورے کرکے اسی کی مٹی مین ہمیشہ کے لئے محو خواب ہوگئے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے اس آخری دور کے کارنامے عوام کی نگاہ سے اوجھل یا کم سے کم فراموش ہو چکے تھے، نو شائع تصنیف "باغی ہندوستان" سے ان کی یاد نئے سرے سے تازہ ہوئی،

تذکرۂ علماے ہند مین مولانا مرحوم کی تصنیفات کے ضمن مین تاریخ بغاوت ہند کا نام آیا ہے، خلافت کی تحریک کے زمانہ مین غازی محی الدین صاحب اجمیری کی زبان سے اس رسالہ کا ذکر سننے مین آیا تھا، اور اس زمانہ مین اس کے مطالعہ کا سراپا اشتیاق تھا، لیکن سعادت حاصل نہ ہو سکی؛ کیا معلوم تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی آرزو کے برآنے کے ساتھ اس کے مطالعہ کا شرف بھی حاصل ہوگا،

باغی ہندوستان کی اشاعت کی تقریب دراصل مولانا علیہ الرحمہ کے اسی رسالہ کو "الثورۃ الہندیۃ" سے موسوم کرکے مع ترجمہ شائع کرنے کے لئے ادا ہوئی ہے، لائق مرتب نے باغی ہندوستان کو دو حصوں مین ترتیب دیا، پہلا حصہ مولانا فضل حق علیہ الرحمہ کے سوانح حیات پر مشتمل ہے جو

۳۵۰ صفحے پر ختم ہوا ہے، اور دوسرے حصہ مین رسالہ الثورۃ الہندیۃ اور دو قصائد ہمزیہ و دالیہ کے عربی متون اور اُن کے بالمقابل اردو ترجمے درج ہین، یہ حصہ ۳۵۱ سے ۴۰۰ صفحون مین آیا ہے، اور شروع مین چند صفحے مقدمہ اور تعارف کے ہین، رسالہ کا تعارف مولانا ابوالکلام آزاد مد ظلہ نے لکھا ہے جس سے اس کتاب کی رفعت و منزلت مین اضافہ ہوا ہے لیکن مولانا موصوف نے صرف رسالہ اور قصائد کے ترجمہ کے مطالعہ کا ذکر کیا ہے، سوانح کا حصہ بھی اُن کی نگاہ سے گذرا ہوتا تو شاید مفید مشورہ اس کی طباعت سے پہلے لائق مصنف کو حاصل ہوتے،

کتاب کا یہ حصہ اگرچہ غیر معمولی محنت، توجہ اور عرق ریزی سے مرتب ہوا ہے، لیکن بعض امور کی نشاندہی ضروری ہے، مصنف نے اس حصہ کا آغاز ہندوستان کے عہد قدیم کی علمی مرتبت کے ذکر سے کیا ہے، مگر یہ تذکرہ اجمالی ہے، پھر "ولادت و نسب" کا عنوان ہے، جس مین مولانا علیہ الرحمہ کی پیدائش کا ذکر کرکے ان کے اجداد کے علمی کارنامون کا ذکر آیا ہے، پھر تعلیم و تربیت کا عنوان ہے، اس مین خیرآباد کی علمی منزلت، اور اس کی قدیم تاریخ کا تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب کے حسن ترتیب کے لحاظ سے یہ بہتر ہوتا کہ ہندوستان کی علمی مرتبت پر جو پہلے گفتگو آئی تھی، اس کو مولانا فضل امام کے ذکر پر لاکر ختم کیا جاتا، اور اسی ضمن مین خیرآباد اور اس کے علمی ماحول کا تذکرہ کیا جاتا،

اس کے بعد کتاب مختلف عنوانات جو گویا مستقل ابواب ہین مثلاً فطانت و ذہانت، درس و تدریس، ملازمت، سخن فہمی، شاعری و نثر نگاری، سلسلۂ تلمذ، تصانیف، بحث و مناظرہ، سیرت، اخلاق و عادات، سیاست، اخلاف و تلامذہ مین تقسیم ہے، ان مین جو مباحث و معلومات درج ہین، اگر ان پر علحدہ علحدہ گفتگو کی جائے تو سلسلۂ کلام دراز ہوگا، لیکن مجموعی حیثیت سے کہا جا سکتا ہے کہ واقعات کی ترتیب، ان کو مختلف عنوانون کے تحت لانے، اور ان سے نتائج اخذ کرنے مین مزید دقت نظر کی ضرورت تھی، پھر لائق مصنف کی اپنی زندگی جیسا کہ انھون نے تلامذہ کے ذیل مین اپنے سوانح مین درج کیا ہے، پرشور سیاسی ہنگامون سے وابستہ رہی ہے، اور پچھلی سیاسی تحریکات مین وہ اپنے

استاذ محترم مولانا معین الدین اجمیری کے فیض صحبت سے قوم پرورانہ رجحانات کے ساتھ شریک ہوئے ہیں، مصنف کی اس زندگی کے جذبات وخیالات کے اثرات، اس تصنیف کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہیں، اور اس میں بہت سی ایسی تفصیلات آگئی ہیں جن کا تعلق "حیات فضل حق" سے کچھ زیادہ نہ تھا، نیز بعض دوسرے مباحث بھی بے محل درج ہو گئے ہیں، مثلاً مصنف نے ص ۹۶ میں علامہ فضل حق اور مولانا ابوالکلام آزاد میں باہمی مختلف مماثلتیں دکھا کر رسالہ الثورۃ الہندیہ اور غبار خاطر کے قید فرنگ میں تصنیف پانے کی مماثلت کا تذکرہ کیا، ہے یہ بات اسی صفحہ پر ختم ہو جاتی، لیکن اس سلسلہ میں مصنف نے ص ۱۰۰ سے ۱۰۰ تک میں ۱۸۵۷ء سے آج تک کے ہندوستان کی سیاسی سرگذشت لکھ ڈالی ہے جن میں جزئیات کی تفصیل تک آئی ہے، ظاہر ہے کہ مولانا فضل حق کے سوانح حیات سے ان امور کا تعلق دور کا بھی نہیں ہو سکتا، ان کا ذکر زیادہ سے زیادہ غبار خاطر کی جائے تصنیف کی تشریح کے ضمن میں چند سطروں میں تعلیق وحاشیہ کے طور پر لایا جا سکتا تھا، اسی قسم کے بے محل مندرجات کی مثالیں صفحہ ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۶۴ وغیرہ میں دیکھی جا سکتی ہیں،

دوسری طرف بعض امور کی تشریح کی ضرورت تھی، وہ نظرانداز ہو گئی ہے، مثلاً جس زمانہ میں مولانا امیر علی کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، مولانا فضل حق حکومت اودھ کے ایک معزز عہدہ صدر الصدور پر فائز تھے، اس موقع پران کی روش کی وضاحت کی ضرورت تھی، اور اگر اسی سبب سے انھوں نے حکومت اودھ سے ترک تعلق کیا، تو سند کے لئے حوالہ کی ضرورت تھی، پھر مولانا امیر علی کی شہادت کے بعد انگریزوں نے حکومت اودھ پر جو معاہدہ مسلط کیا تھا، اس میں اور واقعۂ شہادت میں باہمی کوئی ربط نہیں بلکہ نفس واقعۂ شہادت اور اس کی ساری تفصیلات کا صاحب سوانح سے کیا تعلق پیدا ہوتا ہے؟ یہ جذباتی معلومات ومباحث ایسی زیادتی سے کتاب میں آگئے ہیں، کہ مولانا کے سوانح وحالات اُن کے پردہ میں چھپ گئے یا ایسے بکھر گئے ہیں، کہ بڑی توجہ سے سررشتہ کو

ہاتھ میں رکھنا پڑتا ہے، اسی طرح مولانا کی تصنیفات کا بیان تشنہ ہے، ان پر تفصیل سے نقد ونظر کے ساتھ لکھنا تھا، ادب وانشا اور شعر وشاعری کے مباحث بھی اسی ضمن میں لانے تھے، "تذکرہ علمائے ہند" میں ان کی ایک کتاب کا نام "رسالہ تحقیق کلی طبعی تشکیک وماہیات" سے موسوم آیا ہے، مصنف نے "رسالہ تشکیک ماہیات" اور "رسالہ کلی طبعی" کے ناموں سے دو رسالوں کا ذکر کیا ہے، معلوم نہیں واقعہ کیا ہے،

مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا فضل حق کے مختلف فیہ مسائل میں امتناع نظیر کا مسئلہ بھی تھا، مولانا شہید کی رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہے، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل اس لیے پیدا نہیں ہو سکتا کہ اس کا پیدا ہونا آپ کی خاتمیت کے منافی ہے، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر قادر نہیں، دوسری طرف مولانا فضل حق کی رائے تھی کہ خاتم النبیین کا مثل ممتنع بالذات ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ خود اپنا مثل پیدا نہیں کر سکتا، اسی طرح خاتم النبیین کا مثل بھی پیدا نہیں کر سکتا، اس موضوع پر مرزا غالب کی بھی ایک مثنوی ہے جو کلیات میں موجود ہے، مصنف کا بیان ہے کہ

"علامہ کا رجحان طبع دیکھ کر اس موضوع پر ایک مثنوی لکھ ڈالی ...... اپنی قابلیت سے ایک حل نکالنے کی کوشش کی ...... آخری چھ اشعار میں اس خیال کو رد کرتے ہوئے علامہ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا ہے"،

مولانا حالی نے یادگار غالب میں اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے، افسوس ہے کہ لائق مصنف نے اس موقع پر اس کا مراجعہ نہیں کیا، ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ غالب نے یہ مثنوی "رجحان طبع دیکھ کر" نہیں لکھی تھی، بلکہ علامہ کی فرمایش سے لکھی تھی، دونوں مسلکوں کے درمیان ایک راہ اپنے ذوق سے نکالی تھی، اور طبعاً انھیں مولانا اسمٰعیل شہید سے اتفاق تھا، مگر مولانا مثنوی کے اشعار سن کر آزردہ ہوئے تو پھر بعد میں آخر کے وہ چند شعر انھوں نے بڑھا دیئے،

مصنف نے تلامذہ کی صف میں سے صرف مولانا عبدالحق، مولانا ابوالبرکات اور مولانا معین الدین کو روشناس کیا ہے، اور صفحہ ۱۹۷ سے ۳۰۰ تک ان کی نذر ہوئے ہیں، پھر ۳۰۱ سے ۳۵۰ تک کے صفحے مصنف کی سوانحعمری پر مشتمل ہیں، ان بزرگوں کے حالات میں اختصار کرکے دوسرے جلیل القدر تلامذہ کو بھی پیش کرنا تھا،

ہم نے ان خردہ گیریوں کو ظاہر کرنا اس لیے ضروری سمجھا کہ مولانا فضل حق جیسے صاحب فضل کے سوانح حیات زیادہ مرتب شکل میں ہمارے سامنے آسکیں، ورنہ درحقیقت مصنف اپنی سعی، تلاش وتحقیق اور غیر معمولی ارادت وعقیدت اور انہماک سے ان اوراق کے مرتب کرنے پر مبارکباد کے مستحق ہیں، توقع ہے کہ طبع ثانی میں اگر لائق مصنف ان اشارات سے اتفاق کرسکیں تو نظر ثانی فرماسکیں گے،

مولانا فضل حق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اور قصائد کو مولانا مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی کی معرفت، کاغذ کے پرزوں اور کپڑوں کے ٹکڑوں پر کچھ پنسل اور کچھ کوئلہ سے لکھ کر اپنے صاحبزادے مولانا عبدالحق کے پاس بھیجا تھا، جنھون نے محنت سے ان کو ترتیب دیا، اور رازداری سے اس کے نسخے عقیدتمندون مین تقسیم ہوے، مولانا معین الدین اجمیری کا نسخہ لائق مترجم کو حاصل ہوا، یہ رسالہ اگرچہ مختصر ہے، لیکن انقلاب ۱۸۵۷ء کے حالات مین بعض نئے رخ اس سے نمایان ہوتے ہین،

تمہید کے بعد علامہ علیہ الرحمہ نے بغاوت کے اسباب پر اختصار سے نظر ڈالی ہے، اس سلسلہ مین انگریزون کے مذہبی تعصب، ہندوستانی اکابر واعیان سے ان کی بدسلوکی، عیسائیت کی جبریہ تبلیغ، اور بعض مذہبی شعائر کو روکنے اور نشان درس وتدریس کو مٹانے اپنی زبان اور دین کی تلقین کے لئے شہرون اور دیہات مین مدرسے قائم کرنے اور پچھلے زمانہ کے علوم ومعارف کے برباد کرنے کا ذکر کیا ہے، پھر دکھایا ہو کہ انگریز لوگون کو تقویمین کرنے لگے یعنی غلہ کی پیداوار کاشتکارون سے لے کر نقد دام ادا کرنے لگے،

غریبون کے لئے خرید وفروخت کا کوئی حق نہ چھوڑا، اس طرح بھاؤ کے گھٹانے بڑھانے اور منڈیون تک اجناس پہنچانے اور نہ پہنچانے کے خود ذمہ دار بن بیٹھے، تاکہ خوراک ملنے پر ان نصاری اور ان کے اعوان وانصار کے ہر حکم کی تعمیل اور ہر مقصد کی تکمیل ہو، (ص ۳۵۸)

پھر اسی طرح کے چند اقدامات کے تذکرہ کے بعد انقلاب کی جدوجہد کی مختصر وجامع تاریخ بعض جزئی تفصیلات کے ساتھ درج کی ہے، ان مین چند چیزین خاص طور پر نگاہ مین آتی ہین، مثلاً اس زمانہ مین بھی ہندو اور مسلمان ایک ہی قوم کے دو فرقون سے تعبیر کئے جاتے تھے، ان بزرگون کے ذہن مین علیحدہ قومیت کا کوئی تصور موجود نہ تھا، ایک سلسلہ مین فرماتے ہین:-

"یہ شرمناک روش دیکھ کر دونون فرقون مین اضطراب پیدا ہوگیا، اور اپنے اپنے مذہب واعتقاد کی حفاظت کی خاطر ان کی اطاعت وانقیاد سے منہ موڑ لیا، (ص ۳۶۰)

۱۸۵۷ء کی آزادی کی جدوجہد مین ہندوؤن کے حصہ کے متعلق آج کل افراط وتفریط سے کام لیا جارہا ہے، ایک طرف رانی جھانسی اور کنور سنگھ کو اس حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے کہ قریب ہے کہ وہی اس تحریک کے اصل ہیرو قرار پاجائین، اور دوسری طرف ایک طبقہ اس تحریک کی ناکامی کو ہندوؤن کے سر تھوپنا چاہتا ہے، یعنی صرف مسلمانون نے استخلاص وطن کی کوشش کی، ہندوؤں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا، اور تحریک کو ناکام کیا، حالانکہ حقیقت ان دونون کے بین بین ہے، یہ صحیح ہو کہ مسلمانون کا حصہ اس مین زیادہ نمایان رہا ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو صحیح ہوگا کہ اس تحریک کی تمام تر رہبری انھی کے ہاتھون مین تھی، لیکن یہ بھی صحیح نہین کہ ہندو اپنی جماعت اور فرقہ کی حیثیت سے اس سے علحدہ رہے، واقعہ یہ ہو کہ اس زمانہ مین ہندوستان کی سیاست کی باگ مسلمان سیاست دانون کے ہاتھون مین تھی، اس لئے ان کا پیش پیش رہنا ایک قدرتی امر تھا، لیکن ہندوؤن نے عملی حیثیت سے اس مین پوری شرکت کی، اگر غداریان ہندو ساہوکارون، بنیون، اور زمیندارون نے کین تو مسلمان وزراء، حکام، زمیندار، اور ساہوکار بھی

اس سے بری نہین تھے، ان دونون قسم کے شواہد اس رسالہ مین بھی کثرت سے مثلاً ص ۳۶، ۳۸، ۳۶ وغیرہ مین موجود ہین، جن مین ایسے لوگون کو "ذلیل و اجیر ہندو" اور "بدبخت بدکیش اور مرتد مسلمان" سے خطاب کیا گیا ہی، معلوم ہوا غدارون کی صف مین "ذلیل ہندو" اور "بدکیش و مرتد مسلمان" دونون تھے، بلکہ جن ہندوون نے انگریزون کی مدد کی، ان کا ذکر کسی خاص صفت سے موسوم کرکے کیا ہے، مثلاً لکھتے ہین،

"ہر عیسائی دوست ہندو ان کی مدد مین پیش پیش تھا" (ص ۴، ۳)

پھر لکھتے ہین:-

"اب بنیون اور دوسرے ہندوؤن نے جو نصاریٰ کے دوست تھے، اور بادشاہ کے ان کارپردازون (مرزا الٰہی بخش وغیرہ) نے جو مجاہد گروہ کے دشمن تھے،....." (ص ۳۷)

پھر اس قسم کی مثالین بھی ہین، کہ کسی غدار مسلمان عامل (مثلاً نواب احمد علی عرف مموخان) نے غداری کی، اور ہندوؤن کی جماعت نے مقابلہ کیا، فرماتے ہین:-

"بہادر ہندوؤن کی تھوڑی سی تعداد اپنے گاؤن کے بہادر مکھیا کے ساتھ مقابلہ کے لئے ڈٹ گئی، یہ سو سے زیادہ نہ تھے، دشمنون کو فنا کے گھاٹ اتار کر خود بھی کٹ گئے"، (ص ۴۵،۰)

رسالہ کے آخر مین ملکہ وکٹوریہ کے معافی کے عام اعلان کا ذکر آیا ہے، جس پر اعتماد کرکے علامہ علیہ الرحمہ بھی روپوشی چھوڑ کر باہر نکل آئے تھے، اور گرفتار کرکے انڈمان بھیج دیئے گئے تھے،

عربی کے دونون قصائد بھی ان ہی معلومات خصوصاً انڈمان کے مصائب و محن کی داستان سے لبریز ہین، امید ہے کہ نئے ہند مین اس "باغی ہندوستان" کا خیر مقدم اس کے شایان شان کیا جائے گا،

مطبوعات جدیدہ

اسلام کا نظام حیات

از جناب مولانا عبدالوہاب صاحب ظہوری،

حجم ۴۲۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اور کاغذ بہتر، قیمت مجلد للعہ، پتہ: نفیس اکیڈمی، عابد روڈ، حیدر آباد، دکن،

اس تصنیف مین اسلام کے عقائد، عبادات، اخلاق کی تعلیمات اور نظام عدالت و سیاست کو اس طرز میں پیش کیا گیا ہے کہ ایک طرف ایسے بہت سے اعتراضات آپ سے آپ دور ہو جائیں جن کو مغرب کے مستشرقین اسلام پر کرتے آئے ہیں، اور اسلامی اوامر و نواہی، اور دیگر تعلیمات کے مصالح و حکم کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے جس کو مصر وغیرہ کے نئے متکلمین اسلام نے اختیار کیا ہے، کتاب چند بابوں میں تقسیم ہے، پہلا باب "افراد کی اصلاح کے عنوان سے ہے" جس میں عقائد صحیحہ کی تلقین، اور عبادات کے ذریعہ افراد کی ظاہری و باطنی اصلاح اور ان کے مصالح کو دکھایا گیا ہے، اس ضمن میں وضو، نماز، روزہ کے مباحث ہیں، پھر افراد میں جماعت کی صلاحیت پیدا کرنے کا عنوان قائم کیا ہے، اور اس ضمن میں زکوٰۃ و حج کے مصالح تحتانی عنوانوں کے ساتھ دکھائے ہیں، پھر جماعت کی اصلاح کا عنوان ہے، جس میں تعدد ازدواج، طلاق، پردہ اور غلامی کے انسداد کے موضوع پر گفتگو آئی ہے، مختلف بابوں میں معیشت، اخلاق، عدالت و سیاسیات، اخوت و مساوات، حکومت الٰہیہ کی تشکیل اور اقوام عالم کی اصلاح کے عنوان قائم کیے گئے ہیں، امید ہے کہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا،

معین العقائد و معین الحکمہ مرتبہ مولانا مفتی محمود حسن صاحب اجمیری، صدر مدرس مدرسہ حسینیہ، راندیر، ضلع سورت، حجم بہ ترتیب ۹۷ و ۶۰۴ صفحے۔ تقطیع چھوٹی، کاغذ بہتر، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت بہ ترتیب ۴؎ ڈیڑھ، موصوف سے مذکورۂ بالا پتہ پر طلب کریں۔

عربی مدارس کے اہم علوم میں علم کلام، فلسفہ، منطق اور فرائض وغیرہ ایسے فنون ہیں جن میں طالبعلموں کو فن کی دقتیں پیش آتی ہیں، لائق مصنف نے ان علموں پر اردو میں نئے انداز سے رسالے شائع کرنا شروع کیا ہے، اور مختلف علوم کے مبادی پر وہ کتابیں شائع کر چکے ہیں، اس سلسلہ میں دو رسالے معین العقائد اور معین الحکمہ اس وقت پیش نظر ہیں،

معین العقائد میں مصنف نے مختلف درجوں کے لیے الگ الگ حصے قائم کیے ہیں، پہلے درجہ کے لیے عقائد نسفی کا ترجمہ سہل زبان اور طریقہ ادا میں پیش کیا ہے، دوسرے حصہ میں عقائد کی اوپر کے درجوں کی کتابوں کی تلخیص پیش کی گئی ہے۔

معین الحکمہ میں تمام فلسفہ و حکمہ کے مسائل اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ طلبہ کے لیے ان کا سمجھنا اور سمجھانا آسان ہو، عربی درسوں میں فلسفہ و حکمت کی جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، اس فن کے پس منظر اور عام مبادیات سے عموماً طلبہ کو روشناس کیے بغیر فن کی کتابیں شروع کرا دی جاتی ہیں، اور وہ غریب ایک نئی وادی میں پہنچکر قیل و قال اور اعتراض و جواب کی الجھنوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں، معین الحکمہ اگرچہ ایک مختصر رسالہ ہے، لیکن کہا جا سکتا ہے کہ اس کے تمہیدی بیانات اور اولیات کو اگر پہلے طلبہ کے ذہن نشین کرا دیا جائے تو اس فن کی تحصیل ان کیلئے آسان ہو جائے، فن کے ضروری مسائل اس رسالہ میں آگئے ہیں، اچھا ہوتا کہ یہ رسالے عربی مدرسوں کے ابتدائی درجوں کے نصاب میں داخل کر لیے جاتے، اور ان کے پڑھانے کے بعد ان فنون کی عربی کتابوں کو پڑھایا جاتا، امید ہے کہ ان رسالوں سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔

"س"

جلد ۶۰ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۷ء عدد ۵

مضامین